www.urducouncil.nic.in
اگست 2024 ، قیمت :- 15 ₹
ماہنامہ
بچوں کی دنیا
Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

اُردو دُنیا

URDU DUNIYA

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

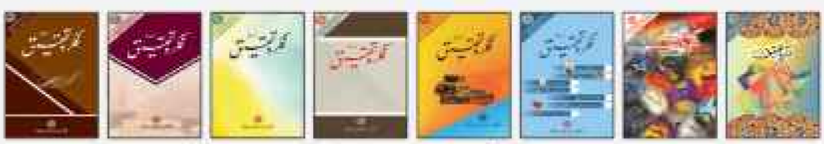

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com , sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 12 شمارہ: 08 اگست 2024

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ تعلیم ۔محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت : /15 روپے، سالانہ /145 روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL شعبہ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 22-7-110 تھرڈ فلور، ساجدیار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
مضامین		
سمندر اور اس کی اہمیت	امتیاز احمد انصاری	07
فیوچر لائبریری پروجیکٹ	اسمٰعیل وفا	10
جشن آزادی		
قومی پرچم	کوثر صدیقی	12
آزادی کی کہانی	سفینہ سماوی	13
پندرہ اگست	صادقہ نواب سحر	16
وطن اپنا آزاد کیسے ہوا تھا	احمد وکیل علیمی	17
ترانۂ یوم آزادی	ساجد جلال پوری	18
انشائیہ		
گھڑا	محمد مستمر	19
نظمیں		
گرمیاں آگئیں	عبدالرزاق دل کھولاپوری	24
گھر کے باہر	ضیاء الرحمن جعفری	25
بارش کا موسم آیا	خلیق الزماں نصرت	26
میرا خواب	عادل حیات	27
چھتری	شمیم اختر	28
پیاری پیاری میری امی	واصف جمال	29
سیر و سیاحت		
ناورو : ایک چھوٹا اور موٹا ملک	اکمل رضوان انصاری	30
کہانیاں		
گدھے کی حجامت	ذکیہ مشہدی	32
تیرتھ	انیس اعظمی	34
وفادار ساتھی	رومانہ عفت راہی	38
غصہ	صائمہ علی برہین	42
قسط وار ناول		
جنگل کی کہانی : رمیش نارائن تیواری	مترجمہ : زینت شہر یار	44
سائنس		
چاند کا سفر	جے پرکاش بھارتی	50
صحت اطفال		
ہکلاہٹ، لکنت اور بچے	اشرف آثاری	54
واقفیت عامہ		
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	57
کہکشاں		
چمن چمن کے پھول		58
ننھے فنکار		
پتھر چٹا	ثمینہ بانو	59
پینٹنگ		61

پیارے بچو! آپ سبھی کو یوم آزادی بہت بہت مبارک۔

15 اگست ہمارے لیے اور ہمارے ملک کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے، اسی دن ہمارا ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا تھا، اس دن کو پورے ملک میں یوم آزادی کے طور پر منایا جاتا ہے، اسکول، کالجز اور سرکاری وغیر سرکاری دفاتر میں ترنگا لہرایا جاتا ہے، سب لوگ مجاہدین آزادی کی قربانیوں اور ان کی انتھک کوششوں کو یاد کرتے ہیں، ہندوستان کو آزاد کرانے میں ملک کے ہر طبقہ کے لوگوں نے جان کے نذرانے پیش کیے، جیل کی پریشانیاں برداشت کیں اور ہر اس پریشانی کا خوشی خوشی سامنا کیا جو آزادی کی راہ میں حائل تھی، ان کی مسلسل کوشش اور جانفشانی کا نتیجہ ہے کہ انگریز اس ملک کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور یہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے، آج ہم کھلی ہوا میں سانس لے رہے ہیں، اپنی مرضی کی اور من چاہی زندگی جی رہے ہیں، ملک کی ترقی اور خوش حالی کے لیے ہر طرح کے فیصلے لینے کے لیے آزاد ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ہم لوگ مجاہدین آزادی کی قربانیوں کو یاد کریں، ان کو خراج عقیدت پیش کریں، اگر انھوں نے قربانیاں نہ دی ہوتی تو آج ہم بھی غلامی کی زندگی جی رہے ہوتے۔

بچو! آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے، انسان آزاد پیدا ہوتا ہے اور اسے آزاد فضا میں سانس لینے اور زندگی جینے کا پورا اختیار ہے، اس لیے اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرتے رہنا چاہیے، مجاہدین آزادی کی قربانیوں کو یاد کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے دیے ہوئے پیغام کو عام کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، انھوں نے جس محبت، بھائی چارہ، اخوت اور ہمدردی کا درس دیا ہے اور جن مشکل مراحل سے گزر کر انھوں نے ملک کی آزادی کے لیے اپنی جان قربان کی اسے ہمیشہ یاد کرنے اور یاد رکھنے کی ضرورت ہے، اس لیے ضروری ہے کہ آپ آزادی کی تاریخ کا مطالعہ کریں، اساتذہ اور اپنے بڑوں سے آزادی کی کہانیاں سنیں، اسکول کے نصاب میں آزادی سے متعلق نظمیں اور چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہوتی ہیں اسے بھی بغور پڑھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ آزادی کتنی پریشانی اور جدوجہد کے بعد ملی ہے اور ساتھ ہی ان کے خلوص اور جذبے کا بھی اندازہ ہوگا کہ کس طرح ہنستے ہنستے ان لوگوں نے ملک کی آزادی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیا۔ اس کے علاوہ 15 اگست کے دن اسکولوں میں مختلف طرح کے پروگرام پیش کیے جاتے ہیں جن میں مجاہدین آزادی کی زندگی اور ان کی جدوجہد کو پیش کیا جاتا ہے، آپ بھی اس طرح کے پروگراموں میں حصہ لیں، اس سے آپ بہت کچھ نیا سیکھیں گے۔

پیارے بچو! 'بچوں کی دنیا' اگست 2024 کے شمارے میں یوم آزادی سے متعلق کئی تحریریں دی جارہی ہیں، جو یقیناً آپ کو پسند آئیں گی اور آزادی سے متعلق آپ کی معلومات میں بھی اضافہ ہوگا، آپ کی تحریر اور مشورے کا ہمیں انتظار رہتا ہے، بچوں کی دنیا پڑھ کر آپ اپنی رائے ضرور لکھیں، آپ کے خط کا ہمیں انتظار رہے گا۔

آپ کا

شمس اقبال

ڈاک خانہ

'بچوں کی دنیا' جولائی 2024 مدنظر ہے۔ سرورق کا بیشتر حصہ یخ بستہ پہاڑی پر پر فریب ڈھلان کا منظر پیش کرتا ہے جس پر ایک حوصلہ مند لڑکا آئس اسکیٹنگ کی مدد سے پر جوش کرتب دکھا رہا ہے۔ گویا اپنی ہنر مندی سے دوسرے بچوں کو یہ درس دے رہا ہے کہ حالات چاہے جو بھی ہوں انسان کو اپنے محصلہ کیل کانٹے سے ان پر قابو پانا سیکھنا چاہیے۔ اداریہ کے علاوہ اے پی جے عبدالکلام، بابائے میزائل ضرور پڑھیں۔ پھر، پتوں کی گفتگو، جسے متین الدین صاحب نے لکھا ہے ضرور سنیں کہ پتوں میں کیا سرگوشی ہورہی۔ جناب پرویز شہریار کا 'نوبل انعام یافتہ کیلاش ستیارتھی' کا بھی مطالعہ کریں تو یہ معلوم ہوگا کہ ایسے بڑے بڑے انعامات کیونکر حاصل ہوتے ہیں۔ بچوں کی نظموں میں کوئی گیارہ نظمیں دی گئی ہیں انھیں پڑھوگے تو بڑا لطف آئے گا ویسے بھی نظمیں بچوں کو بڑی پسند آتی ہیں کیوں ہے نا؟ اور بعض بچوں کو انوکھی کہانیوں کا بڑا شغف ہوتا ہے تو کیوں نہ کہانیوں میں تین کہانیاں پڑھ ڈالیں زینت شہریار کی ترجمہ کی ہوئی قسطوار ناول بھی بڑے خاصے کی چیز ہے۔ اسے بھی ضرور پڑھ لیں۔ فیروز بخت نے آپ کو اچھی صحت کے راز سے واقف کرایا ہے۔ تو کیوں نہ اسے پڑھ کر ہم اس راز سے واقف ہوجائیں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی نے آپ کے لیے چنندہ تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات اس شمارے میں درج کی ہیں

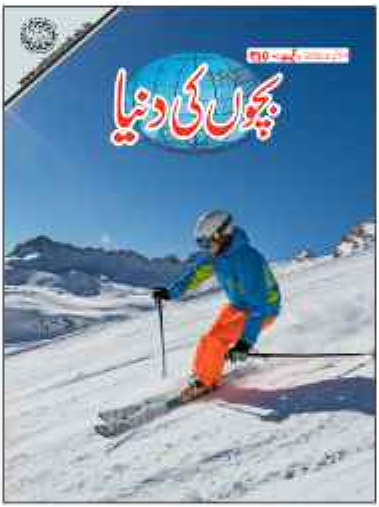

تو کیوں نہ آپ انوکھی معلومات سے آگاہ ہو جائیں۔ چمن چمن کے پھول میں کیا ہی اچھے اچھے اشعار دیے گئے ہیں پڑھ کر دیکھیے بڑا لطف آئے گا۔ آپ کو ایسا محسوس ہوگا جیسے آپ کسی مشاعرے میں شعرا کی واہ واہ کررہے ہوں۔ آخر میں معصوم بچوں کی پیشکش دی گئی ہے دیکھیے اور لطف اٹھائیے اس طرح آپ اس لاثانی بچوں کی دنیا سے ساری دنیا جیت سکتے ہیں۔

مصطفیٰ ندیم خان غوری، زرینہ منزل، بی 11، گرین وہیل، روضہ باغ، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جون 2024 کا شمارہ بہت پر مسرت رہا۔ پر مسرت اس لیے کہ اس میں شامل ماحولیات سے متعلق موضوعات نے اردو تخلیق کاروں کے لیے ایک

نیا باب وا کیا ہے۔ کل کا مستقبل آج کی دانائی اور فہم و فراست پر منحصر ہے۔ آج اگر ہم بچوں کو گلوبل وارمنگ کے نقصانات سے آگاہ نہیں کریں گے تو مستقبل میں ان کے درپیش مسائل کے لیے ہم ہی ذمے دار ہوں گے۔ اس لیے اپنے جنت جیسے ماحول کو جہنم بننے سے بچانے کی ضرورت ہے۔ اس لحاظ سے اس شمارے میں شامل مضامین قابل ستائش ہیں۔ اس کے علاوہ شمارے میں شامل نظمیں بھی بچوں کو فطرت سے قریب ہونے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ اردو کی زبوں حالی کے دور میں قومی کونسل کی خدمات اردو کے تحفظ کے لیے اپنے ان اقدامات کے ذریعے ایک تاریخی کارنامہ انجام دے رہی ہے۔ بچوں کی دنیا پابندی سے پڑھتا ہوں۔ ہارڈ کاپی موصول نہ ہونے کی صورت میں ای۔ کاپی اردو کے شائقین کے لیے ایک بہترین انتخاب ثابت ہوا ہے۔

ڈاکٹر محمد اکمل خان، اسسٹنٹ پروفیسر (اردو)، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کیمپس

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جون 2024 کا شمارہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ یہ خوشی اس لیے بھی محسوس ہوئی کہ میری بھی خط نما کہانی کو شمارے میں جگہ دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ماحولیات کے موضوع پر مضامین دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ بچے ملک کا مستقبل ہیں انھیں گلوبل وارمنگ اور ماحولیات جیسے موضوعات پر مضامین، کہانیوں اور نظموں کے ذریعے اسباق دیتے رہنے سے کافی فائدہ ہوگا۔ آج درجہ حرارت اتنا بڑھ چکا ہے کہ عام آدمی کی زندگی اجیرن ہو چکی ہے۔ بقیہ کہانیوں اور نظموں میں سائنسی اور دوسرے موضوعات بھی پڑھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بچوں کی دنیا پابندی سے پڑھنا اچھا لگتا ہے اور اسے پڑھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر توصیف بریلوی، البرکات کالج آف گریجویٹ اسٹڈیز، علی گڑھ یوپی

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جون 2024 کا بچوں کی دنیا کا شمارہ پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ علاوہ ازیں ماحولیات کے موضوع پر مضامین دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ مذکورہ شمارے کے تمام مشمولات قابل توجہ ہیں اور بالخصوص ماحولیاتی مضامین۔ ہمیں اسی طرح کے مضامین کی بے حد ضرورت ہے تاکہ ہمارے بچے ماحولیات کو محفوظ کر سکیں۔
بقیہ کہانیاں اور نظمیں بھی بہت عمدہ ہیں۔

آصف خان، ریسرچ اسکالر، روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جون کا تازہ شمارہ موصول ہوا بہت بہت شکریہ، بچوں سے پہلے میں خود پوری کتاب کا مطالعہ کیا۔ تمام کہانیاں اور نظمیں پسند آئیں سرورق دیکھ کر دل باغ باغ ہوا۔ شمس اقبال صاحب کا اداریہ صحت سے متعلق بھی خوب ہے۔

مولانا عادل ندوی، المنار اسکول چکھلی پونہ مہاراشٹر

امتیاز احمد انصاری

سمندر اور اس کی اہمیت

قدرت کی عطا کردہ ہر نعمت ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتی ہے۔ ہم اپنے آس پاس نظر دوڑانے پر قدرت کی ان نعمتوں کا کھلی آنکھوں سے نہ صرف نظارہ کرتے ہیں بلکہ ہمارا دل خود بخود قدرت کی عظمت کا قائل بھی ہوتا چلا جاتا ہے۔ قدرت نے یہ تمام نعمتیں ہماری ضرورت کے اعتبار سے بن مانگے عطا کی ہیں۔ سر چھپانے کے لیے آسمان کی شکل میں وسیع وعریض شامیانہ دیا، رہنے بسنے اور اناج اگانے کے لیے ہمارے پاؤں تلے زمین کا فرش بچھا دیا، سانس لینے کے لیے چاروں طرف ہوا کی چادر بنا دی، دن میں اجالا، حرارت اور توانائی پیدا کرنے کے لیے آسمان پر سورج کو نمودار کیا تو راتوں کے اندھیروں کو دور کرنے اور آسمان کی خوبصورتی قائم کرنے کے لیے اسے چاند، ستاروں سے سجا دیا۔ زمین کو مسخر کرنے کے لیے بلند وبالا پہاڑ کھڑا کر دیا تو غذا و دیگر ضروریات کے لیے ٹھاٹھیں مارتا سمندر بنا دیا۔ قرآن پاک کی سورہ الرحمٰن میں خدا خود فرماتا ہے۔

''...تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''

قدرت کی ان تمام نعمتوں میں ایک خاص نعمت سمندر بھی ہے۔ جی چاہ رہا ہے آج اس نعمت کے سلسلے میں کچھ گفتگو کی جائے۔ یوں تو آپ میں سے بہت سارے لوگوں نے سمندر دیکھا ہوگا اور اس کا نظارہ بھی کیا ہوگا۔ آیئے اس مختصر سے مضمون میں سمندر کی حقیقت اور اس کی اہمیت سے واقف کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سمندر کا سفر یوں تو ہر کسی کے لیے دلچسپی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ عموماً جب کبھی شہر کی بھاگ دوڑ اور شور شرابے سے طبیعت گھبرا جاتی ہے تو ایسی حالت میں سمندر کی سیر نہ صرف تفریح بلکہ ذہنی سکون کا بھی باعث بنتی ہے۔ اسی لیے تو

شاعر کہتا ہے کہ

دوست احباب سے لینے نہ سہارے جاتا
دل جو گھبرائے تو سمندر کے کنارے جاتا

جس طرح خشکی کے بڑے علاقے کو براعظم کہتے ہیں اسی طرح پانی کے وسیع تر علاقے کو بحر اعظم یعنی سمندر (Ocean) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں نمکین پانی کے بہت بڑے پھیلاؤ کو سمندر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ سمندر کی طبعی، کیمیائی اور حیاتیاتی خصوصیات کے ساتھ اس کے ماضی، حال اور مستقبل کی حالت کا مطالعہ Oceanography یا Oceanology کہلاتا ہے۔ سمندر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک ایسی نعمت ہے جو اپنے سینے میں خزانوں کا ڈھیر چھپائے بیٹھا ہے۔ سمندر کے سلسلے میں ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ سمندر کی دنیا اس قدر گہری، پراسرار اور پوشیدہ ہے کہ زمین پر دستیاب تمام وسائل استعمال میں لانے کے باوجود اب تک اس کی تہہ تک رسائی ناممکن بنی ہوئی ہے۔

سمندر زمین کی سطح کے تقریباً 71 فیصد رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ زمین پر بسنے والے نصف سے زائد جانداروں کا مسکن ہے۔ علاوہ ازیں بے شمار نباتات، معدنیات، تیل، گیس اور قیمتی پتھروں کی آماجگاہ ہے۔ یہی نہیں زمین پر سانس لینے کے لیے ہوا یعنی آکسیجن کے ساتھ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بھاری بھرکم سامانوں کی درآمد اور برآمد بھی سمندروں کے راستوں سے ہوا کرتی ہے۔ دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ سمندر دنیا کی بہت بڑی آبادی کے لیے پروٹین والی غذائیں یعنی مچھلی فراہم کرتا ہے۔ بقول شاعر

میں نے سمندر سے سیکھا ہے جینے کا سلیقہ
چپ چاپ سے بہنا، اپنی موج میں رہنا

دنیا میں کل پانچ بڑے سمندر یعنی بحر اعظم ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جب کہ 50 کے قریب چھوٹے سمندر ہیں مگر یہ سب ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ سمندر کی مزید جانکاری حاصل کرنے سے قبل آیئے ان پانچ بڑے سمندروں پر ایک گہری نظر ڈالتے ہیں۔

(1) بحر الکاہل (Pacific Ocean) : یہ دنیا کا سب سے بڑا سمندر ہے جو زمین کے کل رقبے کے ایک تہائی حصے پر پھیلا ہوا ہے۔ بحر الکاہل کتنا بڑا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں اس دنیا کے ساتوں براعظم کے سمانے کے بعد بھی جگہ خالی رہے گی۔ بحر الکاہل کا رقبہ 15,55,57,000 مربع کیلومیٹر ہے جو امریکہ سے اسٹریلیا تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی اوسط گہرائی 1,404 فٹ ہے جب کہ زیادہ سے زیادہ گہرائی 35,797 فٹ ناپی گئی ہے۔ دنیا کا سب سے گہرا ترین مقام ماریانہ ٹرنچ اسی سمندر میں واقع ہے جس کی گہرائی 37,797 فٹ بتائی گئی ہے۔ بحر الکاہل میں 25 ہزار جزیرے ہیں جو پوری دنیا کے سمندر میں موجود کل جزیروں کی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ دنیا بھر میں غذا کے طور پر استعمال ہونے والی 60 فیصد مچھلیاں اسی سمندر سے حاصل ہوتی ہیں۔

(2) بحر اوقیانوس (Atlantic Ocean): رقبے کے لحاظ سے یہ دنیا کا دوسرا بڑا مگر سب سے بڑا نمکین سمندر ہے جسے بحر ظلمات بھی کہتے ہیں۔ اس کا رقبہ 7,67,62,000

مربع کیلومیٹر ہے جبکہ اس کی اوسط گہرائی 11962 فٹ ہے۔ یہ زمین کے قریب 20 فیصد حصے کو گھیرے ہوئے ہے۔ بحراوقیانوس کے جنوبی حصے میں مئی اور دسمبر کے درمیان بننے والا طوفان اپنے ساتھ کافی تباہی لاتا ہے۔

(3) بحر ہند (Indian Ocean) : 6,85,66,000 مربع کیلومیٹر رقبے والے اس سمندر کی اوسط گہرائی 12274 فٹ ہے۔ یہ دنیا کے 20 فیصد پانی کا ذخیرہ رکھتا ہے۔ یہ سمندر ایشیا، افریقہ، آسٹریلیا اور انٹارکٹیکا کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ قدیم ویدک دور میں اسے سندھوساگر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ بحیرۂ عرب دراصل بحر ہند کا ہی حصہ ہے۔

(4) بحر منجمد جنوبی (Antartic Ocean) : دنیا کا چوتھا سب سے ٹھنڈا، سب سے سوکھا اور سب سے زیادہ طوفان زدہ علاقہ ہے جس کا رقبہ 2,03,27,000 مربع کیلومیٹر ہے۔ یہ چاروں طرف براعظم انٹارکٹیکا سے گھرا ہوا ہے۔ اس کی اوسط گہرائی 13,100 فٹ ہے۔ اس سمندر کا 98 فیصد حصہ برف سے ڈھکا ہے جو دنیا کے 90 فیصد برف کے برابر ہے۔ اگر یہ تمام برف پگھل جائے تو سمندر کی سطح 60 میٹر بلند ہو جائے گی۔ یہاں کا اوسط درجہ حرارت (-71ºF) ہے۔ اب اسے Southern Ocean کے نام سے جانا جاتا ہے۔

(5) بحر منجمد شمالی (Arctic Ocean) : دنیا کے اتری حصے میں واقع رقبے کے لحاظ سے یہ سب سے چھوٹا سمندر ہے جو 1,40,56,000 مربع کیلومیٹر رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کی اوسط گہرائی صرف 3240 فٹ ہے۔ اس بحراعظم میں انسانوں کی مستقل آبادی نہیں ہے۔ تیل و گیس کے علاوہ قیمتی دھاتوں کے خزانے رکھنے والے اس سمندر پر کئی ممالک نے اپنی ملکیت کا دعویٰ کر رکھا ہے مگر اب تک کسی ملک کی ذاتی ملکیت قرار نہیں دی گئی ہے۔

سمندر کی گوناگوں خوبیوں اور اہمیت کے پیش نظر اقوام متحدہ کی جانب سے ہر سال 8/ جون کو پوری دنیا میں سمندر کا عالمی دن منایا جاتا ہے تاکہ عالمی سطح پر سمندری وسائل کی اہمیت سے متعلق عوامی بیداری اور شعور اجاگر کیا جاسکے۔ سمندر کی منجملہ اہمیت اور فوائد کے پیش نظر ہمیں سمندر کا دوست ہونا چاہیے مگر افسوس کہ اس وقت انسان ہی اس کا سب سے بڑا دشمن ثابت ہو رہا ہے۔ انسان کی لاپرواہی کے نتیجے میں سمندر کا درجہ حرارت بڑھ رہا ہے اور اس کی تیزابیت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے سمندری جانداروں کے لیے سب سے بڑا خطرہ ابن آدم کے ذریعے پھیلائی جانے والی آلودگی ہے۔ جراثیم کش دوا، استعمال شدہ پلاسٹک، صنعتوں سے خارج ہونے والے کیمیائی مادے اور دیگر رہائشی فضلات سمندروں میں شامل ہو کر سمندری زندگی پر تباہ کن اثرات مرتب کر رہے ہیں۔ قدرت کی اس عظیم نعمت کی حفاظت کے لیے عالمی برادری آگے بڑھ رہی ہے۔ بہ حیثیت قوم ہمیں بھی اپنی ذمے داری نبھانے کی ضرورت ہے۔

آنکھوں میں رہا دل میں اتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے سمندر نہیں دیکھا

■

Imteyaz Ahmed Ansari
H.No. 24, Railpar, Jahangiri Mohalla,
Asansol-713302 (W.B)
Mob. : 9749289061
anwarartpress11@gmail.com

فیوچر لائبریری پروجیکٹ

اسمعیل وفا

پیارے بچو! لائبریری ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں کتابیں حفاظت کے ساتھ رکھی جاتی ہیں اور علم کے متلاشی ان کتابوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کتابیں نہ صرف ہمیں علم دیتی ہیں بلکہ ہمارے خیالات کو وسیع تر کرتی ہیں۔ ہم خیالات کے پروں پر پرواز کرتے ہوئے نئے جہانوں کی سیر کرتے ہیں۔ لائبریری میں موجود مختلف کتابیں مختلف علوم سے آشنا کرتی ہیں۔ کتب خانوں میں کتابوں کی حفاظت کے جتن کیے جاتے ہیں۔ ان کی فہرست سازی اور ترتیب پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے کہ کسی فرد کو کتاب تلاش کرنے میں دشواری نہ ہو۔ امریکہ کی لائبریری آف کانگریس بہت مشہور ہے جس کے کچھ شعبوں میں دستاویزات کو جراثیم سے محفوظ رکھنے کے لیے انھیں منفی درجۂ حرارت میں رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ Amazon نے مصنوعی ذہانت کے اسسٹنٹ کا نام Alexa، مصر کی مشہور اسکندریہ لائبریری کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے رکھا ہے۔

بچو! آیئے آپ کو ایک حیرت انگیز لائبریری اور اس کے پروجیکٹ کے بارے میں بتاتے ہیں جہاں کتابیں 100 برس کے لیے محفوظ کی جارہی ہیں اور ان کتابوں کو 100 برس بعد منظر عام پر لایا جائے گا اور انھیں شائع کیا جائے گا۔ اس پروجیکٹ کو 'فیوچر لائبریری پروجیکٹ' کا نام دیا گیا ہے۔

فیوچر لائبریری پروجیکٹ آرٹسٹ کیٹی پیٹرسن (پیدائش 1981) کی ذہنی اپج ہے۔ اس سے قبل انہوں نے کئی اہم پروجیکٹ پر کام کیا ہے۔ فیوچر لائبریری کا پروجیکٹ ناروے کے شہر اوسلو میں جاری ہے۔ یہ پروجیکٹ اپنے آپ میں نہایت اہم اور آئندہ سو برسوں پر محیط ہے۔ جس کا مقصد کچھ یوں بیان کیا گیا ہے۔

'The paramountobjective of the Future Library Trust is to select and invite the authors and to compassionately sustain the artwork for it's one hundred years duration.'

(فیوچر لائبریری ٹرسٹ کا اہم ترین مقصد مصنفین کا انتخاب، انھیں تحریر کے لیے مدعو کرنا اور ہمدردانہ جذبے کے

ساتھ تخلیقات کی 100 برسوں کے لیے حفاظت کرنا ہے۔)

آئندہ 100 برسوں میں ماحولیات میں تبدیلی ہوچکی ہوگی۔ امکان ہے کہ اس طویل عرصے میں کتابوں اور دستاویزات کی اشاعت کے لیے کاغذ کا استعمال یکسر بند ہوجائے۔ اس لیے 100 برسوں بعد کتابوں کی اشاعت کو ممکن بنانے کے لیے فیوچر لائبریری ٹرسٹ نے ایک جنگل وقف کردیا ہے جہاں کے درختوں کو 100 برسوں بعد کاٹ کر کاغذ تیار کیا جائے گا اور کتابوں کی اشاعت کی جائے گی۔ 8 جون 2022 کو فیوچر لائبریری ٹرسٹ نے اوسلو شہر کی انتظامیہ سے معاہدہ کیا ہے کہ ان درختوں کو ٹرسٹ کے ہی تحت رکھا جائے گا۔ اوسلو کی پبلک لائبریری Deichman Library میں ایک سائیلنٹ روم تشکیل دیا گیا ہے جس میں اس پروجیکٹ کے لیے لکھی جانے والی کتابوں کو محفوظ کیا جارہا ہے۔ اس پروجیکٹ کو 2022 میں عوام کے لیے کھول دیا گیا جس کے تحت شائقین لائبریری کی سیر کرسکتے ہیں لیکن پروجیکٹ میں شامل کتابیں متعینہ مدت کے بعد ہی عوام کو دستیاب ہوں گی۔

فیوچر لائبریری کی کتابیں

فیوچر لائبریری پروجیکٹ 2014 سے 2114 تک محیط ہے۔ اس دوران ٹرسٹ دنیا کے بہترین مصنفین کو منتخب کرتا ہے۔ ایک سال کے لیے ایک مصنف کا انتخاب کیا جاتا ہے اور اس مصنف سے ایسی تحریر طلب کی جاتی ہے جو 100 برسوں بعد تازہ ترین ہو۔ مصنفین کے اس انتخاب کے لیے زبان یا صنف کی کوئی قید نہیں اور تحریر کی طوالت بھی مصنف کی مرضی پر منحصر ہے۔ مختصر کہ موجودہ اور آئندہ نسلوں کو مدنظر رکھ کر لکھی غیر مطبوعہ تحریر ایک ہینڈ اوور سیریمنی (Handover Ceremony) میں حاصل کی جاتی ہے۔ دلچسپ بات ہے کہ اب تک ٹرسٹ نے جن مصنفین کا انتخاب اس پروجیکٹ کے لیے کیا سبھی قلمکاروں نے بہ خوشی اپنی تصنیف ٹرسٹ کے حوالے کردی۔ حال ہی میں 26 مئی 2024 کو Valeria Luiselli نے اپنی تصنیف لائبریری کے سپرد کی ہے۔ درج ذیل مصنفین کو اس پروجیکٹ میں اپنی تحریر سپرد کرنے کا موقع حاصل ہوا ہے۔

2014	Margaret Atwood	کینیڈا
2015	David Mitchell	انگلینڈ
2016	Sjon	آئس لینڈ
2017	Elif Shafak	ترکی نژاد برطانوی
2018	Han Kang	جنوبی کوریا
2019	Karl Ove Knawgard	ناروے
2020	Ocean Vuong	ریاست ہائے متحدہ امریکہ
2021	Tsitsi Dangarembga	زمبابوے
2022	Judith Schalansky	جرمن
2023	Valeria Luiselli	میکسیکو

ظاہر ہے جن مصنفین نے اب تک اپنی تحریر پروجیکٹ کے حوالے کی یا جن لوگوں نے بنیادی طور پر اس پروجیکٹ کی ابتدا کی، آئندہ 100 برسوں میں نہ ہوں گے۔ اس طویل مدت میں دنیا کے حالات یکسر تبدیل ہوچکے ہوں گے۔ اس طرح ایک مصنف کے لیے یہ ایک خوشی کی بات ہے کہ 100 برسوں کے بعد اس کے تحریر کردہ الفاظ چھاپے جائیں گے اور وہ نسل پڑھے گی جس کے لیے کاغذ پر چھپی کتابیں ایک عجوبہ ہوں! ■

Ismail Wafa
SNo - 114/1-4,
Near Pawarawadi Police Station
Pawarwadi, Malegaon
Distt: Nasik - 423203 (Maharashtra)
Mob.: 8857959406, eros.miw@gmail.com

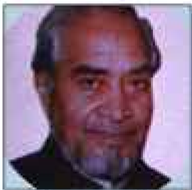

قومی پرچم

کوثر صدیقی

اے ترنگے پرچم عظمت نشاں
اے ہمارے پرچم رفعت نشاں
لال قلعے پر تو لہراتا رہے
لہرائے جا لہرائے جا لہرائے جا

سر بلند اے پرچم ہندوستاں
سر بہ خم رفعت پہ تیری آسماں
اے وقارِ ملک کے روشن نشاں
گلشنِ ہندوستاں کے باغباں
اے وطن کی سرحدوں کے پاسباں
اے ہماری زندگی کے ترجماں
لال قلعے پر تو لہراتا رہے
لہرائے جا لہرائے جا لہرائے جا

اے ہمارے پرچم عالی نشاں
تیری عظمت پر فدا ہندوستاں
ہر جواں کا حوصلہ تجھ سے جواں
تری عظمت کی ہے دنیا نغمہ خواں
لال قلعے پر تو لہراتا رہے
لہرائے جا لہرائے جا لہرائے جا

جے ہو تیری اے ہمارے مہرباں
جے ہو تیری اے ہماری جانِ جاں
زندہ باد اے پرچم عالی نشاں
لال قلعے پر تو لہراتا رہے
لہرائے جا لہرائے جا لہرائے جا

مشکل الفاظ کے معانی

1	پرچم	:	جھنڈا
2	عظمت نشاں	:	اونچی پہچان والا
3	رفعت	:	بلند
4	سربلند	:	اونچا سر
5	سربہ خم	:	سر جھکا
6	وقار	:	قدر و عزت
7	عالی نشاں	:	اونچی پہچان والا

■

Kausar Siddiqui
Editor'Karwan-e-Adab'
Zeb Villa, Ginnori Road
Bhopal - 462001 (MP)
Mob.: 9926404171
kausar.siddiqui79@gmail.com

آزادی کی کہانی

سفینہ سماوی

پیارے بچو! ہمارا ملک ہندوستان شمال میں ہمالیہ سے لے کر جنوب میں کنیا کماری اور مشرق میں کولکاتا سے لے کر مغرب میں گجرات تک پھیلا ہوا ایک وسیع ملک ہے۔ یہاں برف باری سے سفیدی چھا جاتی ہے، شدید گرمی سے گلے خشک ہو جاتے ہیں اور موسلا دھار بارش راحت دے جاتی ہے۔ سال کے بارہ مہینے الگ الگ موسموں میں رنگے ہوئے ہیں۔ لیکن بچو! کیا تم جانتے ہو؟ اس رنگین اور زرخیز ملک پر غیر ملکیوں کی بھی نظر تھی اور اسی لیے ہمارا عزیز ملک غلام بنا لیا گیا۔ ایک عرصے تک یہاں کے لوگ اپنی آزادی کی لڑائی لڑتے رہے تب کہیں جا کر آزادی کے ترانے اس کی فضاؤں میں گنگنائے۔

تو بچو! ہمارے 'سونے کی چڑیا' کہے جانے والے ملک کو انگریزوں نے اپنی غلامی کی زنجیر پہنا دی۔ ہمارا ملک دھیرے دھیرے ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا جو ہزاروں میل دور کا سفر کر کے یہاں آئے تھے اور یہاں آنے کے پیچھے ان کا مقصد تجارت کرنا تھا۔ وہ تاجروں کے بھیس میں ہمارے ملک میں آئے۔ ان لوگوں نے سب سے پہلے 1757 میں پلاسی کی جنگ میں سراج الدولہ کو شکست دے کر بنگال پر اپنا قبضہ جما لیا اور یہی جنگ ہندوستان کی سرزمین پر انگریزوں کے تسلط قائم کرنے کی سب سے اہم کڑی تھی۔ اس کے بعد تو ایک جنگی سلسلہ شروع ہو گیا۔ انگریزوں نے 1764 میں بنگال کے نواب میر قاسم، اودھ کے حکمراں نواب شجاع الدولہ اور بادشاہ وقت شاہ عالم کی متحدہ افواج کو شکست دے دی۔ 1803 میں انگریزوں نے مغلیہ سلطنت کے بادشاہ کو اپنی قید میں کر لیا۔ 1808 تک ہندوستانی حکمرانوں اور انگریزوں کے درمیان لڑائیاں لڑی گئیں اور بچو! ہندوستان کی تاریخ

میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب ہمارا پیارا ملک پوری طرح سے انگریزوں کی حکمرانی میں چلا گیا اور 15 اگست 1947 تک ان کی غلامی میں رہا۔ پھر ہندوستان کے کچھ حصوں میں انگریزوں کی باقاعدہ بستیاں قائم ہونے لگیں۔ انگریزی زبان اور تعلیم کا رواج شروع کیا گیا۔ طرح طرح کے ٹیکس لگائے جانے لگے۔ کپڑے بنانے کا کام بھی انگریزوں نے خود لے لیا اور اپنے ملک کی کپڑا ملوں میں لے جا کر کپڑا تیار کرنے لگے جس کو ہندوستان میں مہنگے داموں بیچا جانے لگا۔

ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل طور پر قبضہ ہو چکا تھا اور ہمارا ملک انگریزوں کی غلامی میں زندگی بسر کر رہا تھا لیکن ہمارے ملک کے لوگ اپنے مادر وطن سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ اس کے لیے اپنی جان تک کو قربان کرنے کے لیے تیار کھڑے تھے اور ہندوستان کو غلامی سے آزاد کرانے کا خواب اپنی آنکھوں میں بسائے ہوئے سانسیں لے رہے تھے۔ ملک کی تاریخ میں 1857 سے 1947 تک کا زمانہ ایسا تھا جس میں ملک کو آزاد کرانے کے لیے نئی نئی ترکیبیں سوچی جا رہی تھیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی کوشش 1857 میں ہوئی کیونکہ ملک میں انگریزوں کا ظلم و ستم دن بہ دن بڑھتا جا رہا تھا اور لوگ ان کی غلامی سے عاجز آ چکے تھے۔ اب انھیں آزاد فضا میں جینا تھا اس لیے ان کے اندر آزادی کے حصول کا جذبہ بیدار ہونا شروع ہو گیا تھا۔

1857 میں پہلی جنگ آزادی ہوئی۔ جس میں ملک کے مختلف حصوں کے ہر ایک طبقے کے لوگوں نے شرکت کی اور اس جنگ کی قیادت مغلیہ سلطنت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے کی۔ لیکن ملک کے الگ الگ مقام پر الگ الگ لوگوں نے قیادت سنبھالی۔ دہلی میں بادشاہ بہادر شاہ کے علاوہ شاہ زادہ فیروز شاہ، راجہ ہرنام سنگھ جنرل بخت خاں وغیرہ نے، لکھنؤ میں بیگم حضرت محل اور ان کے رفقا نے، کانپور میں عظیم اللہ خاں نے، جھانسی میں رانی لکشمی بائی، الٰہ آباد میں مولوی لیاقت علی وغیرہ نے غرض ملک کے کونے کونے میں آزادی کو حاصل کرنے کی مہم چل رہی تھی۔ شمالی ہند کے میر احمد اللہ شاہ اپنی فوج کے ساتھ انگریزوں سے جنگ میں مصروف تھے۔ ملک کے عالم و فاضل لوگوں نے اپنی تحریروں و تقریروں کے ذریعے ہندوستانیوں کو یکجا ہو کر انگریزوں سے مقابلہ کرنے کی صلاح دے رہے تھے جس کے نتیجے میں سب لوگ جدو جہد آزادی میں آگے آئے۔ لیکن ان سب کے باوجود انگریزوں کی تعداد کے آگے ہندوستانی زیر ہو گئے اور جنگ آزادی کی پہلی کوشش ناکام ہو گئی۔ اس ہار کی کئی وجوہات سامنے آئیں جس میں آپسی نااتفاقی بھی تھی۔ اس کے علاوہ جنگی ہتھیاروں کی کمی کے ساتھ ساتھ خبر رسانی کے ذرائع کا نہ ہونا بھی ناکامی کے لیے ذمے دار تھے۔ تو بچو! ان سب حالات میں ہم جنگ کیسے جیت سکتے تھے؟

1857 کی تحریکِ آزادی کے بعد انگریزوں کا ظلم و ستم پورے ملک میں اور زیادہ تیز ہو گیا۔ نہ جانے کتنے لوگوں کو پھانسی کی سزا سنا دی گئی، لاتعداد لوگوں کو کالا پانی اور عمر قید کی سزا بھی دی گئی، صفوں میں کھڑا کر کے گولیاں داغ دی گئیں۔ اس قدر ظلم و زیادتی جبر و تسلط کے باوجود آزادی کی تحریک چلتی رہی۔ اس راہ میں نہ جانے کتنے

مجاہدین آزادی شہید ہو گئے پھر بھی آزادی حاصل کرنے کا جوش کسی میں کم نہیں ہوا۔

بچو! جدو جہد آزادی میں بہت ساری تحریکیں چلائی گئیں جس میں ہوم رول تحریک، ستیہ گرہ تحریک، خلافت کی تحریک، عدم تعاون کی تحریک وغیرہ نے ہندوستان کو آزادی کا راستہ دکھایا۔ جس میں مہاتما گاندھی، لاجپت رائے، تیج بہادر سپرو، سروجنی نائیڈو، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسرت موہانی، جواہر لال نہرو، چندر شیکھر آزاد، اشفاق اللہ خاں، رام پرساد بسمل، بھگت سنگھ، سبھاش چندر بوس وغیرہ جیسے قابل لوگ شامل ہوئے۔ لیکن آزاد ہندوستان کے لیے عوام کو جلیانوالہ باغ، مارشل لا جیسے خطرناک مظالم سے بھی دوچار ہونا پڑا جس میں بہت سارے معصوم لوگوں نے اپنی جانیں گنوا دیں اور پھر کہیں جا کر آزادی کا سورج نصیب ہوا۔

دنیا کی تاریخ میں ہندوستان کی غلامی ایک خوفناک خواب کی طرح تھی جیسے بچو! آپ جب رات میں سوتے ہیں اور کوئی خوفناک خواب دیکھ لیتے ہیں تو ڈر کر آنکھیں کھل جاتی ہیں اسی طرح غلامی ایک رات میں دیکھے ہوئے خوفناک خواب کی صورت میں آئی اور آزادی ایک خوبصورت خواب بن گئی تھی لیکن ہندوستانیوں نے اپنی جدو جہد اور قربانی سے اس خوبصورت خواب کی تعبیر حاصل کر لی۔ تو بچو! اسی لیے اردو ادب کے مشہور شاعر فراق گورکھپوری نے کہا ہے۔

لہو وطن کے شہیدوں کا رنگ لایا ہے
اچھل رہا ہے زمانے میں نام آزادی

■

Safina Samavi
B-213 GTB Nagar, Kareli
Allahabad- 262202 (UP)
Mob.: 8840047307
safinasholarurdu.au@gmail.com

صادقہ نواب سحر

پندرہ اگست

خوشیوں کی محفل سجی، دیکھو اب پندرہ اگست
اس خوشی کا بھول مت جانا سبب پندرہ اگست

بچہ بچہ ڈولتا ہے، ہے فضا میں میٹھا شور
ہے سویرا دیکھ لو نکھرا غضب پندرہ اگست

نام آزادی کا زندہ ہے اسی کے نام سے
اپنی ذمے داری سے بھاگا ہے کب پندرہ اگست

جھنڈیاں لہرا رہی ہیں اور غبارے چھٹے
جشن کا ماحول ہے، بولے ہیں سب پندرہ اگست

بچو آؤ تم بھی پاؤ، ہے مٹھائی بٹ رہی
بول دو اک بار مل کر تم بھی سب پندرہ اگست

صادقہ تاریخ اچھی ہے اسے یادوں میں رکھ
صفحہ تاریخوں کا الٹا، دیکھ اب پندرہ اگست

■

Dr. Sadiqa Nawab Sahar
301, Sadiqa Mension
Above Axix Bank, Shastri Nagar
Dist: Raigarh - 410203 (MS)
sadiqanawab50@gmail.com

احمد وکیل علیمی

وطن اپنا آزاد کیسے ہوا تھا؟

یہ ملک اپنا آزاد کیسے ہوا ہے
نہ سمجھو کہ آزاد خود سے ہُوا ہے
فرنگی تھے قابض ہمارے وطن پر
نظر لگ چکی تھی ہمارے چمن پر
فرنگی ہمیں ہر طرح سے ستاتے
یہ ان کا وطن ہے ہمیں یہ جتاتے
اذیت ہمیں ہر طرح سے وہ دیتے
سدا امتحاں اہلِ بھارت کا لیتے
چھلکنے لگا صبر کا جب پیالہ
لگے چھیننے جب وہ منہ کا نوالہ
تو سینہ سپر ہوگئے اہلِ بھارت
کہ اہلِ نظر ہوگئے اہلِ بھارت
لگی ناچنے موت جب ان کے سر پر
لگے بھاگنے جان لے کر وہ گھر پر
مسلمان ، ہندو وہ سکھ اور عیسائی
سبھی نے ہی مل کر جو طاقت دکھائی
کفن سر پہ باندھا تو بھاگے فرنگی
تکبّر کے نشّے سے جاگے فرنگی
سبھی نے مگر جاں کی بازی لگا دی
وطن کے لیے اپنی گردن کٹا دی
زمیں پر تو کشتوں کے پشتے لگے تھے
جنونی بھی ہندوستانی بنے تھے
فرنگی تھے مبہوت طاقت پہ ان کی
فرنگی بھی ششدر تھے آفت پہ اپنی
خدا مہرباں ہوگیا اس وطن پر
ترس آگیا اس کو اپنے چمن پر
فرنگی ہوئے منتشر سارے ایسے
کہ جنگِ شجاعت میں وہ ہارے ایسے
اکھڑتے گئے پیر گوروں کے بالکل
بچا کر وہ جان اپنی بھاگے یہاں کل
غلامی کی زنجیر توڑے ہیں مل کر
اخوّت کی رسّی کو جوڑے ہیں مل کر
تعصب کی زنجیر نے پھر سے جکڑا
ہے ہندوستانی میں پھر سے یہ جھگڑا
کرایا وطن کو ہے آزاد بے شک
ہُوا جاتا ہے یہ تو برباد بے شک
یہ فرعونیت کی نئی کیفیت ہے
کہ اہلِ وطن پر یہ مظلومیت ہے
کہ جمعیتِ ملک پر ہو نظر اب
وطن میں نئی پھر سے ہو اک حراب

■

Ahmad Wakeel Aleemi
B.L No: 4, H. No: 5, P. O: Kankinara
24-Pargs (North)- 743126 (West Bengal)
Mob.: 9330126756
wakeelaleemi@gmail.com

ساجد جلال پوری

ترانہ: یومِ آزادی

ترانہ سنائیں گے ہم، ترانہ سنائیں گے ہم

سنو پیارے بچو! وطن کی کہانی
ہے تاریخ بھارت کی صدیوں پرانی
یہاں کتنے صوفی ہوئے کتنے گیانی
رہی پیار کی یاں سدا حکمرانی
سناتا ہے بوڑھا ہمالہ زبانی
اسی کو بتائیں گے ہم، ترانہ سنائیں گے ہم

تھی اشفاق و بسمل، بھگت سنگھ کی چاہت
ہم اپنے وطن کی کریں گے حفاظت
یہی اپنی پوجا، یہی ہے عبادت
اسی راستے میں ملے گی شہادت
مگر ہوگی یہ زندگی کی علامت
سدا مسکرائیں گے ہم، ترانہ سنائیں گے ہم

ضرورت ہے ہر قوم سے مل کے رہنا
ہمیشہ اہنسا کے رستے پہ چلنا
تھا برسوں سے باپو کا، نہرو کا سپنا
ترقی کی راہوں پہ ہو دیش اپنا
وطن پر ہو جینا وطن پر ہو مرنا
یہ وعدہ نبھائیں گے ہم، ترانہ سنائیں گے ہم

وطن کی محبت ہے دین اور ایماں
ہے گیتا کا اپدیش، کہتا ہے قرآں
یہاں کوئی ہندو نہ کوئی مسلماں
خدا کے ہیں بندے یہ سب پیارے انساں
انھیں سے وطن کا ہے مہکا گلستاں
یہی گیت گائیں گے ہم، ترانہ سنائیں گے ہم

■

Azadar Husain Sajid Jalalpuri
Mohalla : Jafarabad
Post: Jalalpur
Distt.: Ambedkar Nagar -224149 (UP)
Mob.: 7571867185
azadarhusainsajid@gmail.com

انشائیہ

گھڑا

محمد مستمر

"اِدھر دیکھیے جناب...!"

میں نے نظر اِدھر اُدھر دوڑائی کوئی نہیں تھا۔

صدائے بازگشت پھر ہوئی۔

"اِدھر...!! اِدھر دیکھیے جناب...!"

اب میں تھوڑا گھبرا سا گیا۔ آخر یہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟

آواز نے پھر مجھے اپنی جانب متوجہ کیا۔

"جی ہاں یہ میری آواز ہے۔ یعنی کہ آپ کے اپنے گھڑے کی، جس میں سے آپ روزانہ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پیتے ہیں... جس کے پانی سے سوندھی سوندھی مٹی کی خوشبو آتی ہے۔"

گھڑے کی آواز سن کر میں تعجب اور حیرت کے عالم میں آگیا۔

گھڑے کے اندر سے پھر آواز آئی۔

"چونکیے مت اور نہ حیران ہوئیے۔ یہ میری ہی آواز ہے۔"

میں نے کہا" کہ اچھا...!! آپ بولتے بھی ہیں؟ آپ میں قوتِ گویائی بھی ہے؟"

گھڑے نے جواب دیا۔

"کیوں نہیں...؟ خدا کی ذات ہر چیز پر قادر ہے۔"

میری گھبراہٹ کی کیفیت کچھ کم ہوگئی۔

میں نے کہا۔ "فرمائیے...!"

"فرمانا نہیں... عرض کرنا ہے۔"

"چلیے عرض ہی سہی۔"

"کیا آپ نے کبھی میرے بارے میں سوچا ہے؟ میری زندگی کے سفر کے بارے میں جاننے کی کوشش کی ہے؟"

میں نے نفی میں سر ہلا دیا اور ہلکے سے 'نہیں' بھی کہا۔

اب ادھر سے بھی آواز غائب تھی اور میں بھی خاموش۔

پھر میں نے کہا۔ "حضور والا میرا تعلق تو شہر سے ہے۔ میں بھلا کیا جانوں آپ کی زندگی کے سفر کے

بارے میں۔ آپ ٹھہرے ایک دیہاتی۔''

''دیکھیے آپ دیہاتی کہہ کر میری تضحیک نہ کیجیے۔''

''نہیں نہیں... ایسی کوئی بات نہیں۔ میں بھلا کیوں آپ کی تضحیک کرنے لگا۔ اگر آپ کو برا لگا ہو تو میں اس کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ میرا مطلب تو یہ ہے کہ آپ کا تعلق دیہات سے ہے، نہ کہ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ اجڈ اور گنوار ہیں۔''

''چلیے ٹھیک ہے۔''

میں تھوڑا ذرا سنبھل کر اب بات کرتا ہوں اور کہتا ہوں۔

''کہ محترم قبلہ اب ذرا آپ اپنی زندگی کی روداد سنا دیجیے تا کہ میں جاہل آدمی بھی آپ کی زندگی سے واقف ہو سکوں۔''

''ارے میاں... انہیں... آپ اپنے کو جاہل مت کہیے۔ میرا مقصد بھی آپ سے ناراض ہونا یا بدظن ہونا نہیں ہے۔''

''سب سے پہلے میں تمھیں لفظ 'گھڑا' کے سرچشمے کے بارے میں بتاتا ہوں۔''

''سنیے سنیے...!!'' میں بیچ میں ہی لقمہ دیتا ہوں۔

''یہ کیا بات ہوئی؟ کہ آپ 'تم' پر اُتر آئے۔''

''بات دراصل یہ ہے کہ تم مجھ سے بہت چھوٹے ہو اور مجھے تم سے محبت بھی ہے۔ 'آپ' میں ایک تکلف ہے، 'تم' میں ایک اپنائیت ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تم سے، تمھیں اپنا مان کر گفتگو کروں تو میں 'حرفِ تم' سے مخاطب ہونا چاہوں گا۔''

گھڑے کی بات میری سمجھ میں آ گئی۔ میں نے کہا۔

''اگر ایسی بات ہے تو آپ مجھے 'تم' سے مخاطب کر سکتے ہو۔''

''تو سنیے برخوردار...!!'' ہنستے ہوئے۔

''دیکھیے اب یہ مت کہنا کہ مجھے برخوردار کہنے لگے۔''

''نہیں... بزرگوار۔ آپ کو اجازت ہے۔ آپ کوئی بھی القاب و آداب استعمال کر سکتے ہیں۔''

تو پھر سنیے لفظ گھڑا اصل میں مصدر 'گھڑنے' یا 'گھڑنا' سے نکلا ہے۔ گھڑنے کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھالنا، بنانا یا اسے شکل دینا کیونکہ جب کمہار مجھے چاک پر چڑھاتا ہے اور پھر ایک شکل دے کر چاک سے اُتار لیتا ہے تو اس کے بعد بھی گھڑنے کے کام کو جاری رکھتا ہے۔ وہ کسی تھپکی یا تھپکی نما لکڑی کے ذریعے میری بار بار پٹائی کرتا ہے تا کہ میرے اندر مضبوطی پیدا ہو سکے اور میں ٹکاؤ بن سکوں۔

دیکھیے یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ مجھے گھڑا کہتے ہیں جبکہ میرے گھڑنے والے یا بنانے والے کو کمہار کہتے ہیں۔ درحقیقت ہونا یہ چاہیے تھا کہ میرے بنانے والے کو گھڑ بار کہتے لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ زبانوں کا معاملہ بھی عجیب ہوتا ہے۔ لفظ اور اصطلاح گرتے پڑتے سند باد جہازی کی طرح اپنا سفر طے کرتی ہیں۔ یہ کسی ایک انسان پر منحصر نہیں ہے بلکہ یہ لفظ فرد سے لے کر اجتماعی شعور کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں کیسے مجھے گھڑا کہا جانے لگا جبکہ کنبھ یا گاگر بھی گھڑے کو ہی کہتے ہیں... ہندی اور سنسکرت زبان میں... پھر اسی سے بنا کمہار یعنی گھڑا بنانے والا۔ فارسی میں مجھے 'کوزہ' اور بنانے والے کو 'کوزہ گر' کہتے ہیں۔ گھڑے سے ہی کئی لفظ ضرور بنا یہاں میری چھوٹی اور دوسری شکل کے مطابق وجود میں آ گئے جیسے

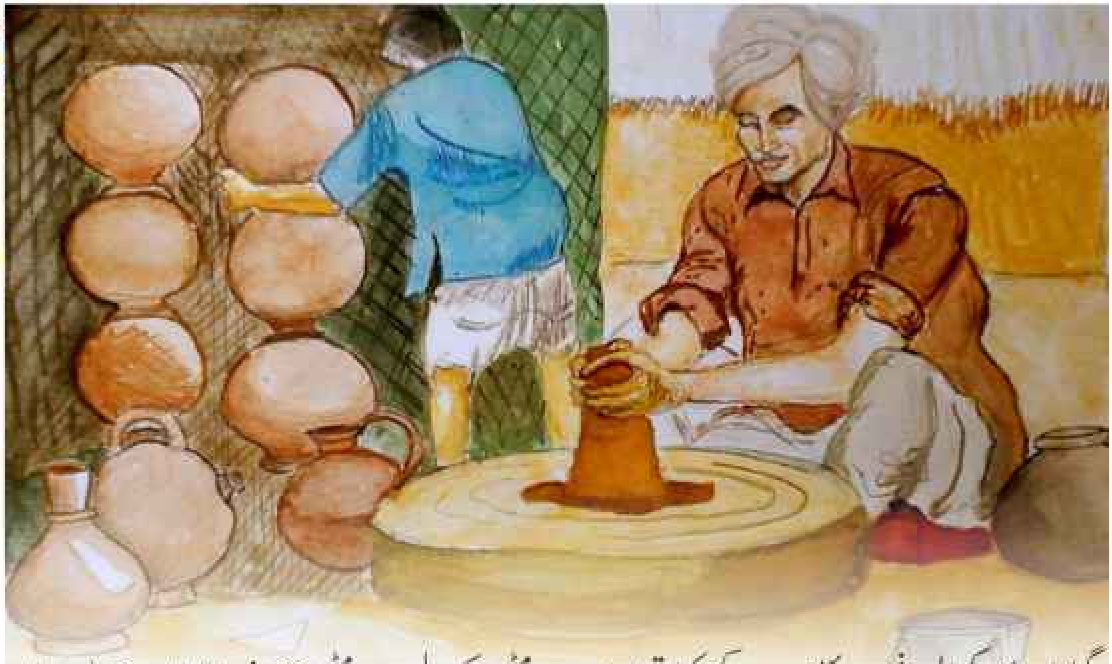

گھڑیا، مٹکا، کچھالی وغیرہ۔ یہیں سے کچھ کہاوتوں اور محاوروں نے بھی جنم لے لیا جیسے کوزے میں سمندر، گاگر میں ساگر، گھڑوں پانی پڑنا، گھڑے لنڈھانا، چکنا گھڑا ہونا، وغیرہ۔ چلیے یہ تو لفظِ تسمیہ ہے۔ اب میں اپنی دکھ بھری روداد تم کو سناتا ہوں جو عبرت ناک بھی ہے اور مشقت بھری بھی۔

آج کل کے ترقی یافتہ، مادیت پرستی اور صارفیت کے دور میں کمہار کے لیے گھڑا بنانا اتنا آسان کام نہیں ہے جتنا اب سے پچیس تیس سال پہلے ہوا کرتا تھا۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ صارفیت اور کمرشیل دور میں گاؤں کے لوگوں کا مزاج بھی اب پورے طریقے سے تاجرانہ ہو چکا ہے۔ گاؤں میں جگہ جگہ جو تالاب، جوہڑ اور ڈوگچے پائے جاتے تھے اب بھو مافیاؤں نے گاؤں کے پردھان سے مل کر ان پر بڑے پیمانے پر پلاٹنگ کر لی ہے یا مچھلی پالن... اور بیچارہ کمہار! اب جائے تو کہاں جائے؟ چکنی مٹی کے لیے... وہ مٹی جو صرف تالابوں، جوہڑوں اور ڈوگچوں میں ہی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر جگہ کی مٹی سے مجھے بنایا نہیں جا سکتا ہے۔

یہ تو رہی وہ بات... اور کمہار کی اس وقت کا ہیڈک اور فکر... کہ وہ میرے بنانے کے لیے مٹی آخر لائے تو کہاں سے لائے۔ جب گاؤں کا یہ حال ہے تو تم تصور کر سکتے ہو کہ شہروں میں مجھے بنانا کتنا مشکل کام ہے۔ کمہار کی تگ ودو میں اب زیادہ مشقتیں شامل ہو گئی ہیں۔

خیر یہ تو مٹی کی بات رہی۔ اب میری شروع سے لے کر آخر تک کی داستان سن لیجیے کہ کیسے میں پٹ کر، چھٹ کر، کٹ کر اور پک کر ایک مکمل گھڑے کی صورت اختیار کرتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ اس دور میں کمہار کے لیے مٹی تلاش کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ اب گاؤں کے گورے میں تالاب ختم ہونے کی وجہ سے کمہار کو دور دراز کے علاقے تک مٹی کی تلاش کرنی

پڑتی ہے، تب کہیں جا کر اسے کوئی ڈوگچا، جوہڑ یا ایسا تالاب کہ جس کا پانی کافی حد تک سوکھ گیا ہو، ملتا ہے۔ جہاں سے وہ مٹی یا ڈھیلے آسانی سے پھاوڑے سے اکھاڑ سکے۔ ڈھیلوں کو وہ خرجی میں رکھ کر گدھوں یا گھوڑوں پر لاد کر اپنے ٹھکانے تک لاتا ہے۔ عام طور پر گھڑے بنانے کے لیے کمہار کسی کھلے میدان کا انتخاب کرتا ہے اور اس کھلے میدان میں ہی وہ بڑا سا ایک کمرہ بھی بنالیتا ہے جس میں ہمیشہ پرال پڑی رہتی ہے جہاں کمہار مجھے پکانے کے بعد پرال میں احتیاط کے ساتھ رکھ دیتا ہے تاکہ میں ٹوٹ نہ پاؤں... اور ایک آدھی کھٹیا بھی ڈالے رکھتا ہے جس پر وہ کام کرتے وقت تھوڑی دیر کے لیے آرام کر لیتا ہے۔

ڈھیلوں کو لانے کے بعد کمہار ڈھیلوں کو کسی موگری سے میرے سینے پر ایسے مونگ دلتا ہے کہ میری روح کانپ جاتی ہے یا موٹے ڈنڈے سے مٹی میں تبدیل کرتا ہے۔ مٹی کو بہت مہین کر لیتا ہے اور پھر اسے آٹے کی طرح چھان لیتا ہے تاکہ اس میں کوئی کنکر وغیرہ باقی نہ رہے۔ اس کے بعد مٹی کا ایک تغار بنا لیتا ہے اور پھر اچھی طرح گارا تیار کر لیتا ہے۔ ایسا گارا جو نہ زیادہ پتلا ہوتا ہے اور نہ زیادہ سخت بلکہ درمیانی جو آسانی سے چاک پر چڑھ سکے اور ہلکے سے ہاتھ یا انگلیوں کے اشارے سے کمہار کے مطابق شکل اختیار کر سکے۔

ڈھیلوں سے لے کر مٹی تک اور مٹی سے لے کر گارے تک اور گارے سے لے کر پکنے تک کا میرا سفر بہت ہی مشقتوں اور مشکلوں بھرا ہے۔ بس ایسے ہی کہ ''مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے'' اور پھر اس کے بعد ''کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے''۔ سچ میں ان دونوں مصرعوں کا ہی کمبینیشن میری ہستی ہے۔ جب کبھی سردی کے موسم میں مجھے کچھ سکون حاصل ہوتا ہے اور میرا دماغ تر و تازگی اور ٹھنڈک کا احساس کرتا ہے تب مجھے اپنے بارے میں کچھ سوچنے کی فرصت ملتی ہے... اور اس فرصت میں جب میں اپنی دکھ بھری زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو میں ان دنوں کو یاد کرتا ہوں کہ کس طرح بے دردی سے کمہار نے ڈنڈوں اور موگریوں سے مجھے کوٹا، پیٹا تھا اور میری طبیعت درست کی تھی تو مجھے ایک لمبی آہ کے ساتھ جھرجھری بھی آجاتی ہے اور میرا بدن تھر تھر کانپنے لگتا ہے۔

خیر! ہر پریشانی کے بعد راحت بھی ملتی ہے۔ میری زندگی کا سفر بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ میں نے ذرا غصے میں آکر کمہار پر یہ الزام تو رکھ دیا ہے کہ وہ مجھے کوٹتا اور پیٹتا ہے مگر اس کا کوٹنا اور پیٹنا جو آخری مرحلے تک جاری رہتا ہے، میرے حق میں کارگر ہی تو ہے۔ جس طرح ایک نادان اور چھوٹے بچے کی استاد پٹائی کرتا ہے، اسے ڈانٹتا ہے مگر اس کا ڈانٹنا بچے کے حق میں مفید ہوتا ہے۔ کمہار کا رویّہ بھی میرے حق میں ایسا ہی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو میرا یہ خوبصورت وجود کیسے آشکار ہو۔

ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ گارا اچھے طریقے سے تیار کرنے کے بعد کمہار مجھے چاک پر چڑھا دیتا ہے اور ایک ڈنڈے کے سہارے چاک کو اَن گنت بار گھماتا ہے۔ وہ اتنی مرتبہ گھماتا ہے کہ چاک تب تک گھومتا رہتا ہے جب تک کہ اپنے فنکارانہ ہاتھوں سے کمہار مجھے آخری پیچ نہ دے سکے۔ اس کے بعد وہ ایک لمبے دھاگے کے سہارے میری پینڈی سے ملا کر چاک سے مجھے اتار لیتا ہے اور آہستہ سے پاس میں پڑے ہوئے ریت پر مجھے رکھ دیتا

ہے۔ اس کے بعد ریت پر مجھے ایک طریقے سے نہلایا جاتا ہے یعنی کہ میرے پورے وجود پر ریت چھڑک دی جاتی ہے اور کمہار ایک ہاتھ میں تھپکی لے کر پیٹتا ہے۔ وہ مجھے اتنی مرتبہ پیٹتا ہے کہ میں اندازہ نہیں کرسکتا... اور ایک ہاتھ میرے اندر ڈال کر مجھے سہارا دیتا ہے تاکہ میں چٹک یا ٹوٹ نہ جاؤں۔ اس طرح وہ دونوں ہاتھوں سے میرے وجود کو پختہ بناتا ہے۔

پھر مجھے دھوپ میں کئی روز تک سکھایا جاتا ہے۔ میں زیادہ دھوپ بھی برداشت نہیں کرسکتا ہوں اور بغیر دھوپ کے میرا گزارا بھی نہیں ہے یعنی دھوپ چھاؤں کے کھیل میں مجھے سکھایا جاتا ہے۔ جب میرے اندر کھنکنے والی خوبی پیدا ہو جاتی ہے تو مجھے آوے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ یہیں سے ایک کہاوت نے بھی جنم لیا ''آوے کا آوا ہی خراب ہے'' دراصل کبھی کبھی تھوڑی سی چوک سے پورا آوا ہی بیٹھ جاتا ہے اور کوئی بھی گھڑا یا مٹی کا برتن صحیح طور پر پک نہیں پاتا اور کمہار سر پٹک کر رہ جاتا ہے۔ یہ آوا کسی آتشِ نمرود سے کم نہیں ہوتا لیکن میرے لیے یہی آتشِ نمرود، گلزارِ ابراہیم ثابت ہوتی ہے اور میں پک کر ایک خوبصورت سرخ رنگ میں تبدیل ہو جاتا ہوں۔ اگر آگ صحیح طریقے سے میرے جسم کو تپا نہیں پاتی تو میرے اندر پیلا پن آ جاتا ہے۔ یہ پیلا پن کسی پیلیے کے مرض سے کم نہیں ہوتا کیونکہ پیلے پن کو دیکھ کر کمہار کے لیے بھی اور خریدار کے لیے بھی، دونوں کے لیے میں بیکار کی چیز رہ جاتا ہوں۔ اسی لیے سرخ رنگ میری خوش قسمتی کی علامت ہے اور اس طرح میں پانی بھرنے کے قابل بن جاتا ہوں۔

■

Dr. Mohd Mustamir
Asst Prof., Dept of Urdu
Zakir Husain Delhi College
Delhi-110002
Mob.: 8920860709
drmohdmustamir@gmail.com

نظم

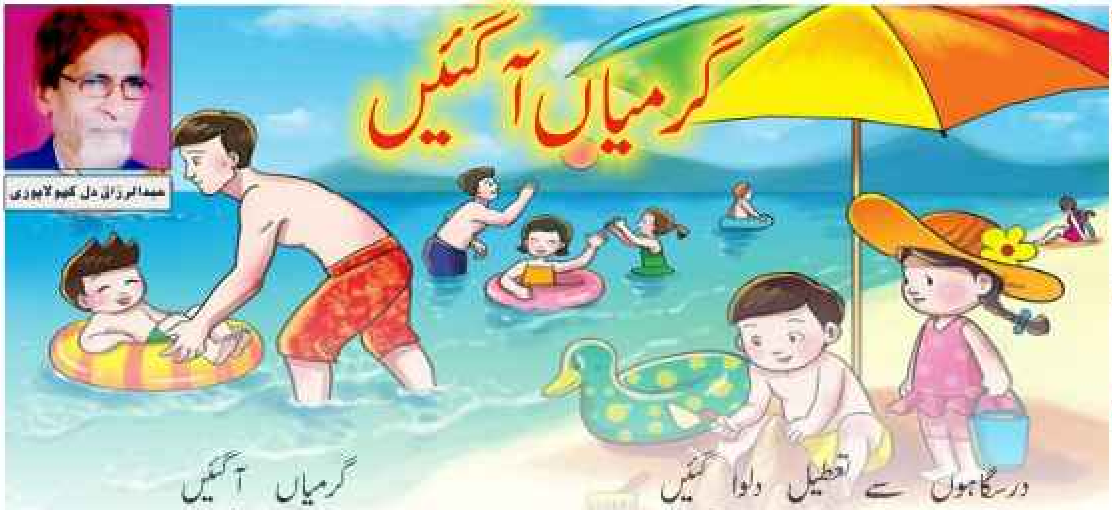

عبدالرزاق دل کھولاپوری

گرمیاں آگئیں

درسگاہوں سے تعطیل دلوا گئیں
سیر و تفریح پر سب کو اکسا گئیں
گرمیاں آگئیں
گرمیاں آگئیں

گھر میں پنکھے کولر رقص کرنے لگے
روم ایئر کنڈیشن میں بدلنے لگے
گرمیاں آگئیں
گرمیاں آگئیں

گھر میں بازار میں برف ملنے لگی
برف گولوں کی رنگت بدلنے لگی
گرمیاں آگئیں
گرمیاں آگئیں

سرخ اور شیریں تربوز ملنے لگے
کھٹے، میٹھے سبھی آم بکنے لگے
گرمیاں آگئیں
گرمیاں آگئیں

لگ چکی ہیں سبیلیں ہر اک موڑ پر
ٹھنڈا پانی پیو آؤ گر گھوم کر
گرمیاں آگئیں
گرمیاں آگئیں

ٹھنڈا پانی جو شاور کا چھوئے ہے من
غسل کرکے نکلتے ہی بولے ہے من
گرمیاں آگئیں
گرمیاں آگئیں

دوسری رُت میں گڈو نہاتا نہ تھا
غسل گرمی میں کرکے یوں گویا ہوا
گرمیاں آگئیں
گرمیاں آگئیں

ٹھنڈی جتنی بھی چیزیں ہیں اے دل میاں
بھاگئیں ہم کو جب تک ہیں یہ گرمیاں
گرمیاں آگئیں
گرمیاں آگئیں

■

Abdur Razzaque Dil Kholapuri
Dil Bharti House
At-Post: Kholapur
Taaluqa: Bhatkoli
Distt.: Amravati- 444802 (Maharashtra)
Mob.: 730448531

ضیاء الرحمن جعفری

گھر کے باہر

بلی تھی اک گھر کے باہر
دیکھا میں نے اس کو پل بھر
بولی مجھ کو پیاس لگی ہے
تم سے ہی بس آس لگی ہے
مجھ کو تھوڑا پانی دے دو
چیز ہے جو لاثانی دے دو
میں نے بولا بلی رانی
مانگ رہی ہو تم کیوں پانی
مجھ کو تو یہ خوب پتہ ہے
تمھیں دودھ کا شوق بڑا ہے
سن کر بولی بلی موسی
بات کرو نا مجھ سے ایسی
لگی کسی کو پیاس اگر ہو
پھر دنیا کی چیز مگر ہو
پانی ہی بس پیاس بجھائے
کون جگہ اس کی لے پائے

■

Zeaur Rahman Jafri
At+Post: Mafi, Via: Asthawan
Distt.: Nalanda- 803107 (Bihar)
Mob.: 9934847941
zeaurrahmanjafri786@gmail.com

نظم

خلیق الزماں نصرت

بارش کا موسم آیا

لو بارش کا موسم آیا، بوندیں برسی چھم چھم چھم چھم
نقارہ بادل نے بجایا، قوس قزح نے کھولا پرچم

قسمت جاگ اٹھی دھرتی کی، نالے نہریں اور ندی کی
مٹی کی خوشبو ہے ہوا میں، رت آپہنچی ہریالی کی

اب تو خوب نہائیں گے ہم، دل کی پیاس بجھائیں گے ہم
چھپ، چھپ چھپ، چھپک چھپاکا، اچھلیں کودیں گائیں گے ہم

کانوں میں رس گھول رہے ہیں، بند دریچے کھول رہے ہیں
پنچھی پکھیرو اپنی زباں میں، میٹھی بولی بول رہے ہیں

بنی گھٹائیں کالی چادر، سورج کو رکھ لیا چھپا کر
لی بجلی نے جب انگڑائی، روشن ہوگیا ہر ایک منظر

تازہ پھولوں کی خوشبوئیں، چل کر باغ میں جھولا جھولیں
خواہش ہے ان دنوں کی نصرت، اونچائی حد چھولیں

■

Khaleequzzaman Nusrat
861, 203, Opp Salauddin Ayyubi School
Ishrat Apartment, Kashnaenusrat
Bhiwandi- 421302 (MS)
Mob.: 9923257606
nusratkhalique@gmail.com

عادل حیات

میرا خواب

نام مرا بھائی اعیان
سب سے الگ میری پہچان
میں سب کی آنکھوں کا تارا
گھر میں سب کا راج دلارا
ہر اک شخص کا کہنا مانوں
سب کو اپنے جیسا جانوں
بھائی بہن سے جھگڑا کیسا
خرچ کروں میں تھوڑا پیسا
کام میں سب کے ہاتھ بٹاؤں
گھر اپنا میں ایسے سجاؤں
پڑھنے میں دل خوب لگاؤں
اچھے اچھے نمبر پاؤں
فرصت ہو تو سیر کو جاؤں
تازہ تازہ ہوا میں کھاؤں
امی، ابو جو سمجھائیں
فرق نہ اس میں کوئی پائیں
خواب یہ پورا کرنا چاہوں
میں درجے میں اوّل آؤں

■

Dr. Adil Hayat
S-11/11, 2nd Floor
Jogabai Extention, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 9313055400
adilhayat10@gmail.com

نظم

شمیم اختر

چھتری

چھتری لے دو چھتری لے دو
ممی مجھ کو چھتری لے دو
اجلی لے دو، کالی لے دو
نیلی پیلی کچھ بھی لے دو
گھاس ہری ہو راہ ہو گیلی
چھتری میری ہو رنگیلی
باغ میں جب بھی چمکے بجلی
چھتری لے کر دیکھوں تتلی
اولے برسے، پانی ٹپکے
گھر پہنچوں میں سب سے بچ کے
ساون کے رم جھم موسم میں
کھیلوں میں جا کے دمدم میں
پیر نہ پھسلے بس کائی سے
مار نہ کھاؤں بس بھائی سے
سب کو دکھانے میں بھی اختر
چھتری لے کر جاؤں گھر گھر

■

Shamim Akhtar
5, PM Bustee 4th Lane
Shibpur
Howrah-2 (West Bengal)
Mob.: 9836225704
www.shamimakhtar0205@gmail.com

واصف جمال

پیاری پیاری میری ممی

پیاری پیاری میری امی
سب سے نیاری میری امی
اس جیسا نہ کوئی دوجا
راج دلاری میری امی
خوشبو خوشبو اس کی ممتا
پھول کی کیاری میری امی
تھک کر جب اسکول سے آؤں
مجھ کو ہنساتی میری امی
اس کے پیار کا مول نہیں ہے
سب کچھ واری میری امی
میٹھی میٹھی بولی اس کی
شہد کی پیالی میری امی
ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں ہے اس کی
باغ سی پیاری میری امی
میں ہی ہوں تو دنیا اس کی
دنیا ہاری میری امی
یارب ان کا سایہ رکھنا
میری جان ہے میری امی

■

Wasif Jamal
Senior Urdu Translator
Mahkama-e-Maliat
Patna Secretariat
Patna- 846004 (Bihar)
Mob.: 7281007076
wasifjamal20@gmail.com

اشعل رضوان انصاری

ناورو: ایک چھوٹا اور موٹا ملک

ناورو دنیا کا ایک ایسا ملک، جہاں دس میں سے نو افراد زیادہ وزن کے شکار ہیں۔ اس ملک کی کل آبادی کے 61 فیصد لوگ موٹاپے کی زد میں ہیں۔ ناورو موٹاپے کی فہرست میں دنیا کا نمبر 1 ملک ہے۔ بحرالکاہل کے وسط میں واقع یہ دنیا کا تیسرا سب سے چھوٹا ملک ہے جس کی آبادی صرف 12,500 ہے، جو ہندوستان کے سب سے کم آبادی والے شہر کی آبادی سے بھی کم ہے۔ ناورو کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پیدل چل کر صرف 40 سے 45 منٹ میں پہنچا جاسکتا ہے۔

ناورو کو پہلی بار برطانوی جہاز 'ہنٹر' نے دریافت کیا جس کے کپتان جان فرن تھے۔ جان فرن نے اس جزیرے کو اتنا خوبصورت پایا کہ انھوں نے اسے 'پلیزنٹ آئی لینڈ' کے نام سے پکارا۔ 1830 کی دہائی میں یہاں کئی یورپی جہاز تجارت کے لیے آئے۔ وہ یہاں سے پینے کا پانی، ناریل اور پھل لے جاتے اور بدلے میں یہاں کے لوگوں کو شراب اور بندوقیں دیتے تھے۔ اس وقت یہ جزیرہ تقریباً 12 مقامی قبائل کا مسکن تھا۔ ہتھیاروں اور الکوہل کی موجودگی کی وجہ سے 1878 میں ان قبائل کے بیچ خانہ جنگی شروع ہوگئی، جس کے نتیجے میں یہاں کی آبادی تقریباً 50 فیصد کم ہوگئی۔ اس کے بعد جرمن حکومت نے اس جزیرے پر کنٹرول حاصل کرلیا اور تمام ہتھیار ضبط کرلیے۔

1990 میں نیوزی لینڈ کے ایک شخص 'ایلبرٹ ایلس' نے اس جزیرے پر فاسفیٹ دریافت کیا۔ فاسفیٹ اس وقت کا ایک اہم معدنی تھا کیونکہ اسے کھیتی باڑی میں مصنوعی کھاد کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ 1906 میں، ایک کمپنی نے جرمنی کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور یہاں کی کانوں سے اسے نکالنا شروع کردیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ نے ناورو پر قبضہ کرلیا۔ برطانیہ نے ناورو کے فاسفیٹ کے ذخائر کو خوب لوٹا اور آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ جیسی قریب ترین جگہوں پر لے جاکر بیچا۔ 1942 میں جاپان نے بھی ناورو پر حملہ کیا، لیکن 1944 کے بعد، جاپان کی دوسری جنگ عظیم میں اپنی شکست کی وجہ سے برطانیہ اور آسٹریلیا نے اس جزیرے پر دوبارہ اپنا

کنٹرول حاصل کرلیا۔

جنوری 1968 میں ناورو کو آزادی ملی۔ آزادی کے بعد، ناورو کے سیاست دانوں نے فاسفیٹ کی کان کنی جاری رکھی، حالانکہ کئی سائنس دانوں نے انھیں اس کے منفی اثرات سے آگاہ کیا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ فاسفیٹ کی کان کنی کے سبب ناورو ایک وقت میں دنیا کا دوسرا امیر ترین ملک بن گیا تھا۔ ملک کے امیر بننے سے، لوگوں کے پاس بھی پیسہ آیا اور انھوں نے اس چھوٹے سے جزیرے پر بڑی بڑی گاڑیاں خرید لیں، عیش کرنے لگے مگر افسوس یہ خوش حالی زیادہ عرصے تک برقرار نہ رہ سکی۔ تاہم کچھ سالوں بعد یہاں کی زمینوں میں فاسفیٹ ختم ہوگیا اور زمین بنجر ہوگئی۔

آج ناورو کی صورت حال کچھ ایسی ہے کہ ان کے پاس کھانے کے لیے قدرتی خوراک بھی نہیں ہے کیونکہ یہاں کی زمین اب پوری طرح سے بنجر ہو چکی ہے، لہٰذا اب یہاں کھیتی باڑی سے کوئی اناج پیدا نہیں ہوسکتا۔ ان کے پاس واحد راستہ دوسرے ممالک پر انحصار ہے۔ یہاں کے لوگ زیادہ تر دوسرے ممالک سے درآمد شدہ بہت ہی سستے کھانے پر انحصار کرتے ہیں جو اکثر غیر معیاری ہوتے ہیں۔ ناورو کے لوگوں کو جب زیادہ پیسہ ملا تو گاڑیاں خرید لیں اور مکمل طور پر چلنا چھوڑ دیا، جس کے نتیجے میں آج وہ بہت زیادہ موٹے ہوگئے ہیں اور اپنا کام بھی خود نہیں کر پاتے۔

ناورو کے لوگوں کے موٹاپے کی دو اہم وجوہات ہیں:
پہلی وجہ انھوں نے چلنے پھرنے پر بالکل توجہ نہیں دی، اور دوسری وجہ غیر صحت بخش کھانا جو یہ لوگ کھاتے ہیں۔

ناورو کی حالت سے سبق سیکھتے ہوئے ہمیں اپنے وسائل کی حفاظت کرنی چاہیے اور اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے۔ صحت مند غذا اور ورزش کو اپنی روزمرہ کی زندگی کا حصہ بنانا ضروری ہے۔ ہمیں ناورو کے لوگوں کی طرح آج کے چند لمحوں کی خوشی کے لیے اپنے کل کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

اس کے علاوہ، ہمیں اپنی قدرتی خوبصورتی اور وسائل کی حفاظت کرنی چاہیے تاکہ مستقبل میں بھی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ ناورو کی تاریخ ایک عبرت ناک داستان ہے جو ہمیں مستقبل کے لیے بہتر فیصلے کرنے کی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

■

Ashmal Rizwan Ansari
Nazar Bagh, Neem Chowk
Jaora, District: Ratlam- 450331 (MP)
Mob.: 7089833039
ashmalrizwan25@gmail.com

گدھے کی حجامت

ذکیہ مشہدی

کبھی سنا ہے گدھے کو حجامت بنواتے ہوئے؟ نہیں نا۔ چلو دیکھتے ہیں کہ گدھے نے کیسے حجامت بنوائی۔ بنوائی بھی یا نہیں۔

ایک غریب آدمی اپنے گدھے پر اینٹیں لاد کر ضرورت مند لوگوں تک پہنچایا کرتا تھا۔ اس کام سے جو آمدنی ہوتی اس سے وہ اپنا اور اپنے کنبے کا پیٹ پالتا تھا۔ اس کا نام ممدو تھا۔ ایک مرتبہ ایک حجام کو اپنا گھر پختہ کرانے کے لیے کچھ اینٹوں کی ضرورت پڑی۔ اس نے ممدو سے کہا کہ وہ اس کے لیے ایک بوجھا اینٹیں لے آئے۔ ممدو گدھے پر اینٹیں لاد کر لے آیا۔ حجام نے ان کی قیمت پوچھی۔ کچھ مول بھاؤ کیا۔ آخر کافی حیل حجت کے بعد دونوں ایک رقم پر رضامند ہوگئے۔ رقم ممدو کے حساب سے کچھ کم تھی۔ لیکن وہ غریب آدمی تھا روزانہ جو ملتا اسی سے اس کے گھر کا خرچ چلتا تھا۔ چلو تھوڑا پیسہ کم ہی سہی۔ سوچ کر وہ راضی ہوگیا تھا۔ حجام نے کہا ''میں پورے سامان کے دام لگا رہا ہوں۔ یاد رہے پورے سامان کے جو گدھے پر لدا ہوا ہے۔ چالاک حجام نے جان بوجھ کر سامان کہا، اینٹیں نہیں۔ سوچو تو بھلا کیوں؟ اچھا خیر ابھی سمجھ میں آجائے گا۔

ممدو نے خوشی خوشی ساری اینٹیں گروا دیں اور پیسوں کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''ارے پورا سامان کہاں دیا۔ صرف اینٹیں ہی تو دی ہیں۔ پورا سامان لاؤ۔'' حجام نے کہا۔

''مالک، ساری اینٹیں گرا دیں ہم نے۔ آپ کے سامنے ہی تو ہیں۔''

''ہاں مگر گدھے کی پیٹھ پر جو جھول ہے وہ تو تم نے اُتاری ہی نہیں۔''

ممدو حیران رہ گیا۔ حال ہی میں اس نے پیسے بچا کر یہ نئی مضبوط جھول خریدی تھی۔ وہ اینٹوں کے ساتھ اسے کیسے دے سکتا تھا۔ وہ تو اس کی اپنی تھی۔ جیسے گدھا اس کا اپنا تھا۔ اب کل کو کوئی کہے کہ اینٹوں کے ساتھ گدھا بھی

دو۔ واہ بھئی واہ!

دونوں میں کافی بحث ہوئی۔ ممدو بے چارا کمزور تھا۔ حجام کے مقابلے میں غریب بھی تھا۔ روز کماتا، روز کھاتا تھا۔ حجام نے کہا تم اینٹیں واپس لے لو۔ ہم پورا سامان لیے بغیر پیسہ نہیں دیں گے۔ وعدہ پورے سامان کا تھا۔ دو ایک لوگ جو وہاں تھے انھوں نے کہا۔ ہاں بھئی کہا تو یہی تھا کہ پورے سامان کے اتنے پیسے ملیں گے۔

ممدو نے خاموشی سے گدھے پر سے جھول اُتار کر دے دی۔ جھول سے گدھے کی پیٹھ چھلنے سے بچ جاتی تھی۔ پہلے وہ چار تہہ کر کے موٹا کپڑا اس کی پیٹھ پر ڈال دیتا تھا۔ جھول حال ہی میں خریدی تھی۔ اس پر رنگین نقش و نگار بنے تھے۔ موٹا مضبوط چمڑا تھا۔ بے زبان گدھا بھی اس سے خوش تھا۔ جانور اپنے چہرے سے بہت کچھ ظاہر کر دیتے ہیں۔

ممدو ایک بار پھر گدھے پر موٹے کپڑے کو چار تہہ کر کے رکھنے لگا۔ لیکن اس کا جی اُداس رہا کرتا تھا۔ تبھی ممدو کی بیوی نے اسے ایک ترکیب سجھائی۔ چالاک حجام سے جھول واپس لے لینے کی۔ ممدو کی بیوی ممدو کے مقابلے میں زیادہ سمجھ دار تھی۔

ممدو اینٹیں بیچنے کے بعد گدھے کے ساتھ ساتھ حجام کی دوکان پر گیا۔ گدھے کو اس نے باہر دونوں پیر باندھ کر چھوڑ دیا تا کہ وہ دور نہ جا سکے۔ اس نے حجام سے کہا میری حجامت بنا دیجیے مالک۔ کتنے پیسے ہوں گے۔ حجام نے اجرت بتا دی۔ ممدو نے حجامت بنوالی۔ پیسے دیے اور پوچھا یہ اجرت سب کے لیے ایک جیسی ہے؟ حجام نے کہا، ہاں بالکل ایک جیسی۔

''تب میرے ساتھی کی بھی بنا دیجیے۔''

''کہاں ہے تمھارا ساتھی۔ لے آؤ۔ بنا دیں گے حجامت۔'' حجام نے کہا۔

ممدو باہر سے گدھے کو لے آیا جو پیر بندھے ہونے کی وجہ سے آس پاس ہی اُچکتا پھر رہا تھا۔

''یہ رہا میرا ساتھی۔ اس کی حجامت بنائیے۔ اس کے سارے جسم پر بال ہیں۔''

ممدو نے کہا۔ حجام بہت ناراض ہوا لیکن ممدو نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ کہا یہ تو وعدہ ہے آپ کا مالک۔ اب میرا ساتھی یہی گدھا ہے تو کیا کروں۔ دوکان پر بیٹھے لوگوں کو تماشہ ہاتھ آیا۔ انھوں نے ممدو کی حمایت کی۔ حجام گھبرا گیا۔ اس نے کہا تم مجھ سے پیسے لے لو لیکن یہ کام نہ کراؤ۔ ممدو نے کافی رقم طلب کی اور ساتھ ہی اپنی جھول واپس کرنے کو کہا۔ ایک گدھے کی حجامت بنانے کے مقابلے یہ بہت آسان تھا۔

حجام نے ممدو کو منھ مانگی رقم دی اور اس کی جھول بھی واپس کی۔

ایک غریب آدمی کو ٹھگنے کی سزا اس کو یوں ملی کہ دوکان پر بیٹھے لوگ بھی خوب ہنسے۔ اس طرح حجام ان کے مذاق کا نشانہ بھی بنا۔

تو بھئی گدھا حجامت بنوانے سے بچ گیا۔ لیکن کہانی تو گدھے کی حجامت کی ہی ہوئی نا؟

■

Zakia Mashhadi
F-1, Grand Pallavi Court
Judges Court Road, Patna - 800004 (Bihar)
Mob.: 9939263613
zakia.mashhadi@yahoo.com

تیرتھ

انیس اعظمی

میری پیدائش گاؤں میں ہوئی اور بچپن بھی گاؤں میں بیتا۔ چھ برس کی عمر میں والدین اور چھوٹے بھائی کے ساتھ دلی آ گیا اور پھر یہیں کا ہو رہا۔ گرمی کی چھٹی یا کسی شادی بیاہ کے موقعے پر گاؤں جانے کا سلسلہ دو دہائیوں تک چلتا رہا۔ اس وقت میری عمر 70 سے کچھ زیادہ ہے۔ میں مسلسل دلی میں رہ کر بھی اکثر یادوں اور خیالوں کے سہارے گاؤں کی گلیوں، باغوں، کھیتوں، ندی، نالوں، تالابوں اور کھلیانوں کی سیر کرنے لگتا ہوں۔ میں اکثر ان ہزاروں جگنوؤں کو یاد کرتا ہوں جو اندھیرا ہوتے ہی گاؤں کے باہر کی جھاڑیوں اور بنسواڑیوں سے باہر نکل آیا کرتے اور پھر اپنی جگ مگ جگ مگ سے مجھے بے چین کر دیتے تھے۔ بارش کی پہلی بوندوں کی آمد سے مٹی سے پھوٹ نکلنے والی وہ خوبصورت، دلکش سوندھی سوندھی خوشبو مجھے آج بھی دیوانہ کر دیتی ہے۔ مویشیوں کے گلے میں لٹکتی چھوٹی بڑی گھنٹیوں کی کھنک دار موسیقی آج بھی کانوں میں رس گھول دیتی ہے۔

دلی تو دنیا کے مشہور اور نمائندہ شہروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی بے شمار تاریخی عمارتیں، کھنڈرات، خوبصورت پارک، جدید عماتیں، جگمگاتے بازار، سڑکوں پر کاروں کی ریل پیل، میٹرو کا دوڑتا کھیل، بے شمار تعلیمی اور ثقافتی ادارے، شاندار ہوٹل، کس کس کا ذکر کیا جائے۔ دلی والے اس شہر کی شان بیان کرتے نہیں تھکتے اور کیوں کر تھکیں؟ ہم کیسے بھول سکتے ہیں، 'دلی جو اک شہر تھا عالم میں انتخاب۔'

دلی آنے پر میرا ایک ٹھیک ٹھاک سے اسکول میں داخلہ کروا دیا گیا۔ اسکول میں اچھا ماحول ملا، اچھے دوست ملے، اچھے اساتذہ ملے۔ گھر کے اڑوس پڑوس کے بچوں سے بھی رفتہ رفتہ دوستی ہو گئی۔ اسکول کے دوستوں میں

زیادہ تر پنجابی تھے اور میرے پڑوس کے دوست دلی والے تھے۔ دونوں کی زبان اور لہجے ایک دوسرے سے کافی مختلف تھے۔ میرے گاؤں کی زبان ان سے کافی الگ تھی، جسے پوربیا کہا جاتا ہے۔ میں ان تینوں زبانوں سے اور زیادہ مانوس ہونا چاہتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے میں ان تینوں زبانوں سے قریب ہوتا چلا گیا۔ میں ان زبانوں کے ساتھ ان کی تہذیب، رسومات اور مذاق کو جاننے کی کوششیں بھی کرتا رہا۔ مجھے ہر نئے لفظ کو جان کر اسے دوست بنا کر، اسے استعمال کر کے عجب سی خوشی کا احساس ہوتا تھا۔ میں دھیرے دھیرے بڑا ہونے لگا۔

آج جب میں ہر ذمے داری سے آزاد اور ملازمت سے فارغ ہو کر گھر پر اکثر گھنٹوں تنہائی کو کم کرنے کے جتن تلاش کرتا ہوں تو کبھی کبھی کوئی فضول سا کام اپنے ذمے لے لیتا ہوں۔ اس فضول سے کام سے جب اوب جاتا ہوں تو پڑھے ہوئے اخبار کو پھر سے پڑھنے بیٹھ جاتا ہوں۔ اکثر اپنی زندگی کی دلچسپ یادوں کو کریدنے بیٹھ جاتا ہوں۔ ان سب یادوں میں سب سے اچھا زمانہ، سب سے اچھی یادیں، میرے بچپن کی ہیں۔ شاید ایسا اس لیے ہے کیونکہ اس میں غضب کی معصومیت اور بھولا پن شامل ہوتا ہے۔ مجھے اپنے بچپن کی بیشتر باتیں، میلوں ٹھیلوں کی یادیں، عید کی رونقیں، سیدھے سادے سے مٹی اور لکڑی کے کھلونے۔ امی اور نانی کی زبانی سنی چھوٹی بڑی کہانیوں کے چلتے پھرتے کردار جانے کیوں اب تک یاد ہیں۔ شاید وہ زمانہ ہی اتنا اچھا اور سچا تھا۔

آج جانے کیوں ماں کی زبانی سنی ایک کہانی یاد آگئی۔ اس کے تمام کردار بھی یاد آگئے۔ کہانی کے تمام مناظر بھی آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگے۔ جب امی نے یہ کہانی پہلی بار سنائی تھی تب میں تقریباً 6 سال کا تھا اور اس زمانے میں ہم گاؤں میں ہی رہتے تھے۔ اسی زمانے میں ہمارے ابو کو دلی میں سرکاری نوکری مل گئی تھی۔ کچھ ہی دنوں بعد گاؤں میں ہمارے دلی جا بسنے کے قصے شروع ہو گئے۔

گاؤں میں میرے بچپن کا یہ وہ زمانہ تھا جب ٹارچ، ریڈیو، لیمپ، لالٹین، گھڑی، بجلی اور آئس کریم جیسی بہت سی چیزوں سے لوگ واقف ہی نہیں تھے۔ گاؤں کے چند خوش حال لوگوں کے علاوہ باقی آبادی ننگے پاؤں ہی چلتی تھی، کہاں کا جوتا، کیسی چپل۔ ہمارے گاؤں کے تمام چھوٹے بڑے مکان کچے یعنی مٹی سے ہی بنے ہوتے تھے جن کی چھتیں کھپریل کی ہوتی تھیں، ہر محلّے کا اپنا ایک کنواں ہوتا تھا۔ گاؤں کے اندر یا باہر کی سڑکیں کچی ہوا کرتی تھیں۔ بارش کی پہلی بوند زمین پر پڑتے ہی سارا علاقہ غضب کی دلکش بھینی بھینی خوشبو سے معطر ہو جاتا تھا۔

بادلوں کی آمد کے ساتھ، شام ہوتے ہی اندھیرا چھا جاتا تھا۔ تب نہ بجلی تھی، نہ ہی بجلی کے کھمبے تھے۔ اندھیرا چھا جاتا تھا۔ اندھیرا ہونے پر گاؤں کے چند خوش حال زمینداروں کے گھروں میں لالٹین جلائی جاتیں، باقی عام گھروں میں ڈِبری یا دِیا جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ ان کی روشنیاں بھی بس دل کا بہلاوا ہی ہوتی تھیں۔ میرے بچپن کے گاؤں کے زیادہ تر گھروں میں نہ دیا ہوتا تھا اور نہ ہی دیا سلائی ہوتی تھی۔ یہ لوگ اپنے پڑوس کے گھروں سے آگ مانگ کر لاتے اور اپنا چولہا جلاتے۔ چند ایسے بھی گھر تھے جہاں اندھیری راتوں میں صرف کھانے کے

وقت دیا جلایا جاتا تھا اور کھانا کھاتے ہی بجھا دیا جاتا تھا۔

اسی طرح کی کچھ باتوں کو میں اب سمجھنے لگا تھا اور کچھ باتوں کو امی سمجھا دیا کرتی تھیں۔ امی نے بتایا تھا کہ گاؤں میں تین لوگ اوروں کے مقابلے خوش حال ہیں۔ یہ تین لوگ تھے رکھوبر تیلی، ساہ جی حلوائی اور حکیم عبداللہ۔ ان کے علاوہ چھیدی لال پنساری کی دکان بھی اب ٹھیک ٹھاک چلنے لگی تھی، تبھی تو انھوں نے اچھی نسل کی گائے جونپور کے میلے سے جا کر مول لے لی تھی۔ ایسی دودھ جیسی سفید اور تندرست گائے پورے گاؤں میں کسی اور کے پاس نہیں تھی۔

ان سب خوش حال لوگوں میں سب سے بہتر حالات رکھوبر تیلی کے ہی تھے۔ رکھوبر نے دو برس پہلے اپنا پرانا کچا گھر توڑ کر بڑا سا دو منزلہ مکان بنوالیا تھا۔ یہ گاؤں کا پہلا گھر تھا جس کے اندر باہر کی دیواروں پر ہر ہفتہ لپائی کی جاتی تھی۔

رکھوبر نے رات دن کڑی محنت کر کے بہت سمجھداری سے اپنے تیل کے کاروبار میں کافی ترقی کر لی تھی۔ اب سے آٹھ برس پہلے اس کے پاس صرف ایک کولھو تھا اور اسے چلانے کے لیے کمزور سا بیل تھا لیکن اب اس کے پاس تین تین کولھو اور اچھی صحت والے چار تندرست بیل بھی ہیں۔ اب سے پہلے تیل کی دکان اس کے گھر کی ایک اندھیری سی کوٹھری میں تھی جہاں گنتی کے دو چار گراہک آ جاتے تھے۔ تب اس دکان پر صرف سرسوں کا تیل بکا کرتا تھا جسے گاؤں کے لوگ کڑوا تیل کہتے تھے۔

اب رکھوبر کے گھر کی وہی تیل کی دکان چار گنا بڑی ہو چکی تھی۔ جہاں اب ہر طرح کے تیل اور ہر طرح کا گھی تو ملتا ہی ہے اسی کے ساتھ شہد اور میوہ بھی ملنے لگا ہے۔ سال بھر پہلے رکھوبر نے شہر میں کچہری کے ٹھیک سامنے گھی تیل کی ایک بڑی سی دکان اور کھول لی تھی۔ اس دکان پر اس کی بیٹی بنی اور اس کا داماد تکارام بیٹھتے تھے۔ دونوں نے خوب لگن سے کام کرتے ہوئے کاروبار کو چمکا دیا تھا۔ مطلب یہ کہ دیکھتے ہی دیکھتے رکھوبر کی سوجھ بوجھ اور محنت رنگ لائی اور اس کے گھر کی خوش حالی کے چرچے ہر طرف مشہور ہو گئے۔ کچھ دن پہلے اس نے عربی نسل کا شاندار گھوڑا نقد خرید کر علاقے کے زمینداروں کو حیران کر دیا تھا۔

جب دیر شام کو وہ سارے کام کاج نپٹا کر گھر لوٹتا تو اس کی ماں رکھوبر کی بلائیں اتارا کرتی اسے جی بھر کر دعائیں دیتی۔ رکھوبر بھی ماں کے سامنے سر جھکائے خاموش کھڑا رہتا۔ رکھوبر کو پورا یقین تھا کہ اس کی ترقی اور کامیابی میں اس کی ماں کی دعاؤں، آشیرواد کا اہم رول ہے۔

ایسی ہی ایک شام جب رکھوبر گھر لوٹا تو ماں نے اسے دعائیں دیں۔ رکھوبر نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر بہت پیار سے اپنے پاس بیٹھایا اور خود زمین پر ماں کے قدموں کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ رکھوبر نے بہت پیار اور لاڈ سے کہا ''اماں میرا دل کرتا ہے کہ میں تجھے تیرتھ گھما لاؤں، تو نے اب تک تیرتھ نہیں کیا'' ماں نے پیار سے رکھوبر کو دیکھا اور پوچھا ''بیٹا کہاں کا تیرتھ کروائے گا؟'' رکھوبر نے ایک لمبی سانس لی اور کہا ''اماں یہاں سے کاشی، بنارس، سومناتھ، سنگم اور ایودھیا جانے کا وچار کیا ہے، اور کہیں چلنا ہو تو وہاں بھی چل کر درشن کر آویں گے۔ یہ تو طے ہے

کہ میں راستے میں کوئی پریشانی ہونے نہ دوں گا۔ سو جب تیرتھ پر نکلنا ہو دس پانچ دن پہلے بتا دینا۔'' ماں بہت دیر تک چپ چاپ خاموش نہ جانے کیا سوچتی رہی اور جانے کن خیالوں میں کھوگئی۔

ماں کی خاموشی کو توڑتے ہوئے رگھوبر نے ماں کا ہاتھ سہلاتے ہوئے دھیرے سے کہا ''اماں سگرے جیون تو نے کوئی پاپ تو کیا نہیں، کسی کا دل نہیں دکھایا، ہاں جانے انجانے کوئی چھوٹا موٹا پاپ ہو بھی گیا ہوگا تو تیرتھ کر کے اس کے بدلے چوگنا پنیہ کما لے گی۔ بول اماں کیا کہتی ہے، کب چلنا ہے۔''

بوڑھی مائی جانے کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی، اس کے ہونٹ تھرتھرانے لگے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ رگھوبر ماں کے چہرے کو دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ بوڑھی مائی نے ساڑی کے پلو سے آنسو پونچھے اور ٹھہر ٹھہر کر دھیمی آواز میں کہا ''بیٹا تجھے ماں کا اگر اتنا ہی خیال ہے تو میرے کہنے پر اتنا کردے کہ گاؤں کے جس جس گھر میں رات کو دیا نہ جلتا ہو، جہاں دیا باتی نہ ہو پاتی ہو، تو ان ان گھروں میں ایک ایک چھٹانک سرسوں کا تیل بھجوا دیا کر۔'' رگھوبر نے پوچھا ''اس سے کیا ہوگا اماں؟'' ماں نے کہا کسی اندھیارے گھر میں دیا باتی ہوجائے گی تو اسی پنیہ سے میرا تیرتھ گھر بیٹھے ہوجائے گا بیٹا۔ میرا تیرتھ یہی ہے بیٹا۔''

■

Anis Azmi
C-62, Nar Vihar 1
Sector 34
NOIDA- 201301 (UP)
Mob.: 9891535053

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر .... بتاریخ ....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/145 روپے IFSC: CNRB0019009، A/C: 90092010045326

میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ بچوں کی دنیا ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in, فیکس: 011-26108159 فون: 011-26109746

دستخط

رومانہ عفت راھی

وفادار ساتھی

ایک ہرا بھرا جنگل تھا، اس جنگل کے ایک ہرے بھرے درخت پہ بہت سارے پرندوں کے آشیانے تھے۔ اسی درخت پہ کوا، طوطا اور کبوتر کا آشیانہ بھی تھا جو اپنی فیملی کے ساتھ رہتے تھے۔ ان تینوں کے گھر ایک دوسرے سے بہت قریب تھے، وہ ایک دوسرے کے پڑوسی تھے۔ کوا، کوی اور ان کا ایک بیٹا تھا، کوا اور اس کی فیملی بہت ہی رحم دل تھے اور ہر کسی کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے... کوے کا گھر چھوٹا سا تھا مگر اس کا دل بہت بڑا تھا، مصیبت زدہ اور پریشان حالوں کی پریشانی دور کر کے اسے عجیب سا سکون ملتا تھا۔ طوطا، طوطی اور ان کا ایک بیٹا اور بیٹی تھی۔ طوطے کی فیملی بھی اچھے اخلاق کی مالک تھی۔ کوے اور طوطے کا ایک دوسرے کے گھر بہت آنا جانا تھا اور ان کے بچے ایک دوسرے کے دوست بھی تھے۔ کبوتر اپنے عالیشان گھر میں کبوتری اور اپنے ایک بیٹے کے ساتھ رہتا تھا۔ کبوتر کی بھی کوے اور طوطے سے اچھی دوستی تھی، مگر کبوتری، کوے اور اس کی فیملی کو پسند نہیں کرتی تھی کیونکہ وہ کالے تھے اور اوپر سے غریب بھی تھے۔ کبوتری کو اپنی خوبصورتی پہ بہت زیادہ گھمنڈ تھا، وہ طوطے کے گھر جاتی تھی مگر کوے کے گھر نہیں جاتی تھی اور اپنے بیٹے کو بھی کوے کے بیٹے کے ساتھ کھیلنے نہیں دیتی تھی کہ کہیں اس کا خوبصورت بیٹا اس کالے کوے کے بیٹے کے ساتھ کھیل کر اس جیسا کالا نہ ہو جائے۔

برسات کا رم جھم موسم اپنے پورے شباب پر تھا۔ صبح سے ننھی منی بوندا باندی شروع تھی۔ ٹھنڈی، ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ جنگل میں کچھ جانور اور پرندے اپنے اپنے آشیانوں میں دبکے بیٹھے تھے تو کچھ اس بوندا باندی کو انجوائے کر رہے تھے... کچھ پرندے قطار در قطار بنائے کھلے آسمان کی وسعتوں میں پرواز کر رہے تھے... پھر یہ بوندا باندی بارش میں تبدیل ہو گئی... سب جانور پرندے اپنے اپنے آشیانوں میں چلے گئے، بارش بہت زیادہ تیز ہو چکی تھی اور موسلا دھار برس رہی تھی، تیز ہواؤں کا ایک طوفان تھا جو کہ اب رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ صبح سے اب رات ہو چکی تھی، بارش اور ہوائیں ہنوز یوں ہی جا ری تھی، تیز ہواؤں کے جھونکوں سے درخت کی ٹہنیاں ہل رہی تھیں اور پھر ہواؤں کی وجہ سے کوے کا چھوٹا سا ٹوٹا پھوٹا

آشیانہ پوری طرح ٹوٹ گیا، ان کا آشیانہ بکھر چکا تھا... کوا، کوی اور ان کا بیٹا بارش میں پوری طرح سے بھیگ چکے تھے، ان کے بیٹے کو ٹھنڈ لگ رہی تھی۔

''سنیئے جی! ہمارا گھر تو ٹوٹ چکا ہے، ہم آج رات طوطا بھائی کے گھر چلے جاتے ہیں... ہمارے بیٹے کو بہت ٹھنڈ لگ رہی ہے، وہ ٹھنڈ کی وجہ سے کہیں بیمار نہ پڑ جائے...'' کوی نے کوے سے کہا۔

''طوطا بھائی اور ان کی فیملی تو کل سے دوسرے جنگل اپنے سسرال میں گئے ہے۔'' کوا اپنا آشیانہ ٹوٹ جانے کی وجہ سے پریشان تھا۔

''تو پھر ہم ایسا کرتے ہیں کہ کبوتر بھیا سے مدد مانگ لیتے ہیں۔'' کوی نے پریشانی سے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے کسی نہ کسی سے تو آج مدد مانگنی ہی ہے ہمیں۔'' کوے نے کہا اور پھر وہ تینوں اڑتے ہوئے کبوتر کے عالیشان گھر کے باہر آ کر کھڑے ہوئے اور کوے نے دروازے پر دستک دی۔ کچھ ہی دیر بعد کبوتری اونگھتی ہوئی دروازے پر آئی اور کوے کی فیملی کو دیکھ کر برا سا منہ بنایا۔

''تم لوگ اتنی رات کو میرے گھر کے باہر کیا کر رہے ہو؟'' کبوتری نے ناگواری سے پوچھا۔

''وہ کبوتری بھابھی، تیز بارش اور تیز ہواؤں کی وجہ سے ہمارا گھر ٹوٹ گیا ہے، اس لیے ہم آپ کے گھر آئے ہیں کہ آج کی رات آپ ہمیں اپنے گھر میں سونے دیجیے۔'' کوے نے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا۔

''باؤلے ہو گئے ہو کیا کوے میاں، میں تو تم لوگوں کی شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کرتی اور تم کہہ رہے ہو کہ تمھیں اپنے گھر میں سونے دوں۔'' کبوتری نے وہی گھمنڈی لہجے میں جواب دیا۔

''کبوتری بھابھی پلیز آج کی رات ہمیں اپنے گھر میں تھوڑی سی جگہ دے دیجیے، ورنہ ٹھنڈ کی وجہ سے ہمارا بیٹا بیمار پڑ جائے گا۔'' کوے نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''تو پڑ جائے تمھارا بیٹا بیمار، بھلا مجھے اس سے کیا... میں اپنے اس عالیشان گھر کو تم جیسے غریب اور کالے لوگوں سے گندا نہیں کرنا چاہتی۔'' کبوتری نے بہت گھمنڈ سے کہا۔ کوے اور کوی نے کبوتری کی بہت منت سماجت کی کہ آج کی رات انھیں اپنے گھر میں سونے دے مگر اس گھمنڈی کبوتری نے انھیں بہت برا بھلا کہا اور وہاں سے انھیں بھگا دیا۔ بیچارے کوا اور کوی اپنے بیٹے کو لے کر بی کوئل کے پاس گئے اور پھر بی کوئل نے ان کی مدد کی اور انھیں اپنے گھر میں سونے کے لیے جگہ دی... پھر دوسرے دن جب بارش کا زور ٹوٹا تو کوا، کوی نے اپنا آشیانہ بنانا شروع کر دیا، طوطا اور اس کی فیملی بھی واپس آ چکے تھے، کوے نے انھیں کبوتری کی بے حسی کی ساری داستان سنائی جسے سن کر انھیں بہت دکھ ہوا تھا... پھر طوطے کی فیملی اور دوسرے پرندوں نے مل کر اس رحمدل کوے کا آشیانہ بنانے میں مدد کی اور پھر سب نے مل کر کوے کی فیملی کے لیے شاندار اور بہت بڑا سا گھر تیار کر دیا۔ کوے نے سب پرندوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

پورے جنگل میں شام نے اپنا آنچل پھیلا دیا تھا۔ صبح سے رزق کی تلاش میں نکلے ہوئے پرندے اپنے اپنے آشیانوں میں واپس لوٹ رہے تھے۔ آج شام مینا خالہ کی پوتی کی سالگرہ تھی انھوں نے کوے، طوطے اور کبوتر کی فیملی کے ساتھ ساتھ دوسرے پرندوں کو بھی اپنی پوتی کی سالگرہ میں انوائٹ کیا تھا۔ سب پرندے مینا خالہ کے گھر جانے کے لیے ایک جگہ جمع ہو چکے تھے کیونکہ خالہ کا گھر جنگل کے آخری کونے میں تھا۔ طوطے اور کبوتر کی فیملی بھی باہر آ کر کھڑی تھی، جب کوے کی فیملی

ان کے پاس آئی تو کبوتری نے ناگواری سے انھیں دیکھا۔

’’یہ کالے کوے کی کالی فیملی ہمیشہ کیوں ہمارے سر پر سوار رہتی ہے۔ ان کے ساتھ جانا گویا خود کی انسلٹ کروانا ہے۔‘‘ کبوتری نے ناک چڑھا کر کہا۔

’’بیگم! تم ہمیشہ کیوں کوے بھائی اور ان کی فیملی کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔ وہ کالے ہیں تو کیا ہوا، ان کا دل تو ہر کسی کے لیے صاف ہے۔ چہروں کی خوبصورتی اور رنگ کی خوبصورتی کوئی معنی نہیں رکھتی جب کہ آپ کا دل صاف نہ ہو تو۔‘‘ کبوتر نے کبوتری کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

’’بالکل ٹھیک کہا کبوتر بھائی آپ نے۔ اب کبوتری بھابھی کو ہی دیکھ لیجیے کہ وہ کتنی خوبصورت اور حسین ہیں، مگر ان کا دل سیاہ ہے۔ ان میں اخلاق کی بھی بہت کمی ہے، ایسی خوبصورتی کا کوئی فائدہ نہیں۔‘‘ طوطی نے کبوتری کو دیکھتے ہوئے کہا تو کبوتری کو بہت زیادہ غصہ آیا مگر وہ ضبط کر گئی۔ تبھی کبوتر کے بیٹے کا پھل جو وہ کھا رہا تھا، نیچے گر گیا۔ اس کا بیٹا پھل اٹھانے کے لیے نیچے کی طرف اڑا اور گھاس پر گرا اپنا پھل اٹھانے ہی لگا تھا کہ ایک دم موٹی بلی اس کے سامنے چلی آئی اور اس کا راستہ روک لیا۔

’’واؤ!... میرا آج کا شکار۔‘‘ بلی للچائی ہوئی نظروں سے کبوتر کے بیٹے کو دیکھتے ہوئے بولی تو وہ ڈر کے مارے چوہے کے بڑے سے بل میں گھس گیا۔ درخت پر بیٹھے سارے پرندے اڑتے ہوئے نیچے دوسرے درخت پر آئے تھے، کبوتر، کبوتری بہت زیادہ پریشان ہو گئے تھے۔

’’کب تک چھپو گے بچے مجھ سے۔ میں یہیں بیٹھ کر تمھارا انتظار کروں گی۔‘‘ بلی، چوہے کے بل کے سامنے گھاس پہ بیٹھ گئی۔

’’بلی خالہ! میرے بچے کو میرے پاس آنے دو۔‘‘ کبوتری، بلی کی منت کرتے ہوئے بولی۔

’’اے کبوتری! تو نے مجھے پاگل سمجھا ہوا ہے کیا۔ بھلا ہاتھ آیا شکار کون جانے دیتا ہے۔‘‘ بلی نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر سب پرندوں نے بلی کی بہت منت کی کہ کبوتر کے بچے کا راستہ چھوڑ دو مگر بلی وہیں بیٹھی رہی۔ کبوتری کا رو، رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ اپنے بچے کو موت کے منہ میں جاتا ہوا وہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کوئی کب سے اسے دلاسہ دے رہی تھی۔ پھر کوا اڑ کر گیا اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ جنگل کے ایک خطرناک کتے کو لے کر بلی کے پاس آیا، بلی نے جیسے ہی اس خطرناک کتے کو دیکھا تو وہ ایک دم سے وہاں سے دم دبا کر بھاگی تو پھر پیچھے مڑ کر بھی

نہیں دیکھا۔ کوے نے کتے بھائی کا شکریہ ادا کیا، کتا وہاں سے چلا گیا تو پھر کوے نے کبوتر کے بیٹے کو چوہے کے بل سے نکالا اور اسے اس کے ماں باپ کے پاس لے آیا۔ کبوتری اپنے بیٹے کو دیکھ کر اس سے لپٹ گئی۔ بہت دیر تک اپنے بیٹے کو پیار کرنے کے بعد وہ کوے کی طرف مڑی۔

''بہت شکریہ کوا بھائی آپ کا۔ آج آپ نے میرے بیٹے کی جان بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔'' کبوتری روتے ہوئے بولی۔

''شکریے کی کوئی بات نہیں کبوتری بھابھی۔ ہم ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں، ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ اگر ہم ایک دوسرے کے دکھ، درد پریشانی میں کام نہ آئے تو پھر کیا فائدہ ہمارا ایک دوسرے کے ساتھی ہونے کا'' کوے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''واقعی میں میرا کوا بھائی ایک وفادار ساتھی ہے۔'' کبوتر نے کوے کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''مجھے معاف کر دو کوا بھائی اور کوی بھابھی، میں نے ہمیشہ آپ لوگوں کا دل دکھایا ہے۔ آپ لوگوں کو غریب کہہ کر ہمیشہ آپ کی انسلٹ کی ہے، مگر مجھے آج اس بات کا احساس ہوگیا ہے کہ اصل میں امیر وہ ہے جو دل کا امیر ہے، جس کا دل خوبصورت ہے۔ اصلی خوبصورتی تو اچھے اخلاق کا ہونا ہے۔'' کبوتری شرمندہ شرمندہ سی بولی۔

''معافی کی کوئی بات نہیں ہے، میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوگیا ہے۔'' کوے نے کہا۔

''ہاں کوا بھائی! اب میں بھی آپ کی طرح ہر کسی کی مدد کروں گی اور کسی کو بھی ان کے چہروں اور رنگ سے نہیں بلکہ ان کے اخلاق سے جج کروں گی'' کبوتری نے ایک عزم سے کہا۔

''میرے پیارے دوستو! آج ہم سب ایک دوسرے سے وعدہ کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کے وفادار ساتھی بن کر ایک دوسرے کی ہمیشہ مدد کریں گے اور ایک دوسرے کے دکھ، درد میں ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ نبھائیں گے۔'' کوے نے کہا تو سب پرندوں نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا اور پھر وہ سب پرندے خوشی سے مسکراتے، چہچہاتے ہوئے ایک ساتھ مینا خالہ کے گھر جانے کے لیے آسمان کی وسعتوں میں پرواز کر گئے۔

■

Rumana Iffat Rahi D/o Shaikh Bilal
Hirapura Near Masjid Darussalam
Achalpur City
Distt.: Amravati- 444806 (Maharashtra)
Mob.: 9503161257

جواب

1	انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی	2	پوسٹل انڈیکس نمبر کوڈ	3	جارج اسٹفنسن	4	1945
5	1498	6	چار (اے، بی، اے بی، او)	7	Hemoglobin	8	اشوک چکر
9	مشتری (Jupiter)	10	شہنائی	11	قلی قطب شاہ	12	آسٹریلیا
13	سچن تندولکر	14	برما	15	بنکم چندر چٹرجی	16	1919
17	داداصاحب پھالکے ایوارڈ	18	گومتی	19	9 زون میں	20	Juho Aerodrome ممبئی میں

صائمہ علی برمین

غصہ

کہانی

طاہر اپنے خاندان کے ساتھ ناگپور کے ایک پالی نامی علاقے میں رہتا تھا۔ یہاں اچھے، نیک، سچے اور ایماندار لوگ رہتے تھے۔ طاہر اور اس کا خاندان اسی میں سے ایک تھا۔ اس کے خاندان میں ماں باپ، دو چھوٹی بہنیں اور طاہر تھا۔ یہ بھی سچا اور ایماندار بچہ تھا۔

صبح کا وقت تھا۔ امی نے طاہر کو اسکول کے لیے جگایا۔ وہ تیار ہوکر گھر والوں کو سلام کرکے اسکول کی طرف روانہ ہوا۔ وقفے کے وقت طاہر اپنے چند دوستوں کے ساتھ اسکول کے میدان میں کھانا کھانے کے لیے بیٹھ گیا۔ کھانا ختم ہونے کے بعد ابھی طاہر کے پاس کچھ وقت اور تھا۔ طاہر کے سب دوستوں کے پاس موبائل تھا۔ آج طاہر کا ایک دوست اسکول میں موبائل لایا تھا۔ اس نے اپنا موبائل نکالا اور گیم کھیلنا شروع کردیا۔ جب طاہر نے دیکھا کہ اس کا دوست اسکول میں موبائل لے کر آیا ہے تو اس نے اس سے کہا ذیشان! اسکول میں موبائل لانے کی اجازت نہیں ہے۔ تم اسکول میں موبائل کیوں لائے ہو۔ طاہر نے ذیشان کو ڈرانے کی کوشش کی۔ طاہر نے کہا میں ٹیچر کو بتانے جارہا ہوں۔ تم بغیر ٹیچر اور والدین کی اجازت کے اسکول میں موبائل لے کر آئے ہو اور اسے استعمال بھی کررہے ہو۔ یہ بہت غلط بات ہے۔ ذیشان نے رو کر طاہر سے کہا! مہربانی کر کے تم یہ بات ٹیچر سے نہ کہو میں موبائل کا استعمال نہیں کروں گا۔ کہہ کر ذیشان نے موبائل کو بیگ میں بند کر کے رکھ دیا اور کہا آج کے بعد میں کبھی اسکول میں موبائل نہیں لاؤں گا۔ طاہر نے اس کی بات مان لی۔ اسکول ختم ہونے کے بعد ذیشان نے اپنے دوستوں کو گھر پر بلایا تھا۔

سب لوگ تیار ہوکر ذیشان کے گھر پر چلے گئے۔ وہاں طاہر کے ہر دوست کے پاس اپنا موبائل تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے موبائل پر گیم کھیل رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر طاہر کا بھی من ہوا کہ اس کے پاس بھی موبائل ہونا چاہیے۔ اس نے سوچا کہ آج شام کو اس بارے میں اپنے والد سے بات کرے گا۔

شام کے وقت طاہر کے ابو کام سے گھر لوٹے ہی تھے کہ طاہر نے انھیں پانی دیا اور کہنے لگا بابا! میرے تمام دوستوں کے پاس موبائل ہے وہ لوگ بہت مزے کرتے ہیں اور اس میں سے پڑھائی بھی کرتے ہیں۔ مجھے بھی اپنا خود کا موبائل چاہیے۔ مہربانی کر کے مجھے دلادیں۔

طاہر کے والد نے کہا! بیٹا ابھی تم چھوٹے ہو۔ اپنی

پڑھائی پر دھیان دو۔ طاہر یہ سن کر بہت اداس ہوگیا اور خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے میں جا کر سو گیا۔ طاہر کو موبائل نہ ملنے کی وجہ سے اس کی اداسی دن بہ دن غصے میں بدل گئی۔ وہ بہت چڑچڑا اور غصے میں رہنے لگا۔ طاہر کے سب دوست اسے چڑھاتے تھے کیونکہ اس کے پاس موبائل نہیں تھا۔ موبائل نہ ہونے کی وجہ سے طاہر کے دوست بھی اسے کھیلنے میں ساتھ نہیں دیتے تھے۔ دوستوں کے ایسے برتاؤ کی وجہ سے طاہر ان سے لڑ پڑتا۔

اب طاہر گھر میں بھی بہت خاموش رہنے لگا تھا۔ اس کی چھوٹی بہنیں اس کے ساتھ کھیلنے کے لیے آتیں تو وہ ان پر بھڑک اٹھتا، اس کا ایسا برتاؤ دیکھ کر ابو نے طاہر کو اپنے پاس بلایا اور اسے سمجھایا کہ بیٹا! تمھارا ایسا برتاؤ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔ تم ایک موبائل کی وجہ سے سب لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرنے لگے ہو۔ تمھارا ایسا سلوک کرنا ہمیں ناگوار محسوس ہوا ہے۔ یہ وقت تمھارا موبائل استعمال کرنے کا نہیں ہے۔ لیکن طاہر کے دل و دماغ پر تو ہر وقت موبائل سوار رہتا تھا۔ اس نے بابا کی تمام باتیں سنیں اور جا کر سو گیا۔

دوسرے دن اسکول سے واپس آنے کے بعد بھی طاہر کا ایسا ہی برتاؤ تھا اور آج بھی وہ اپنے دوستوں کے ساتھ لڑائی کر آیا تھا جس کی وجہ سے اس کے تمام دوستوں نے طاہر سے دوستی توڑ دی تھی اور کچھ دنوں بعد طاہر کا Result تھا۔ طاہر کا رزلٹ اس دفعہ بالکل بھی اچھا نہیں آیا تھا۔ اب وہ پڑھائی میں بھی پیچھے ہوگیا۔ رزلٹ کی وجہ سے طاہر اور مایوس ہوگیا اور وہ بیمار پڑ گیا۔ طاہر نے کھانا کھانا بند کر دیا اور پھر وہ بہت کمزور ہوگیا۔

امی نے طاہر کو اسکول کے لیے آواز لگائی۔ بیٹا طاہر! اٹھو آج اسکول کے لیے بہت لیٹ ہوگئے ہو۔ طاہر کی آنکھ کھل گئی اور پسینہ پسینہ ہوگیا۔ طاہر نے اپنا سارا خواب اپنی امی کو سنایا۔ طاہر کی امی نے اسے سمجھایا بیٹا طاہر موبائل ہی سب کچھ نہیں ہے۔ تمھارے اپنے، تمھارے دوست، تمھاری صحت یہ سب بہت معنی رکھتے ہیں۔ تمھارا ایسا برتاؤ کسی کو بھی پسند نہیں ہے۔ ایسا برتاؤ کرنے سے سب لوگ تم سے دور ہو رہے ہیں۔ طاہر نے کہا! امی میں جانتا ہوں پر میں کیا کروں مجھے غصہ آجاتا ہے۔ میں غصے میں اپنے آپ کو سنبھال نہیں پاتا ہوں۔

امی نے کہا بیٹا! غصہ آنا تو فطری عمل ہے، مگر اسے اپنے آپ پر حاوی ہونے دینا بیوقوفی ہے۔ تم اپنے غصے پر قابو پانا سیکھو۔ جب بھی تمھیں غصہ آئے اس وقت خاموش ہوجایا کرو۔ جانتے ہو خاموشی غصے کا بہترین علاج ہے۔ جب تم خاموش ہوجاؤ گے تو بات بگڑنے سے بچ جائے گی اور تمھارے اپنے بھی تم سے دور نہیں ہوں گے۔ جانتے ہو ہمارے آخری نبیؐ نے فرمایا ”طاقتور انسان وہ نہیں ہے جو پہلوان ہو بہت طاقت رکھتا ہو اصل طاقتور انسان وہ ہے جسے اپنے غصے پر قابو پانا آتا ہو۔

طاہر نے کہا امی! آج کے بعد کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ امی نے مسکرایا اور طاہر کو گلے سے لگا لیا۔

■

Saima Ali Barmen
Indira Nagagar, New Baijipura
Aurangabad-431001 (Maharashtra)
barmemfaiz7748@gmail.com

قسط 8

جنگل کی کہانی

رمیش نارائن تیواری

مترجمہ

زینت شہریار

پیارے بچو! ہر عمر کے لوگوں کو قصے اور کہانی سننے کا شوق ہوتا ہے، خاص طور پر بچپن میں کہانیوں سے دلچسپی ہوتی ہے اورسبق آموز کہانیوں سے بہت کچھ سیکھتے بھی ہیں۔ اسی وجہ سے دادی، نانی اور امی وغیرہ سے کہانیاں سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ بچوں کی پسندیدہ چیزوں میں جنگل اور جنگلی جانور کافی اہمیت کے حامل ہیں، بچے ٹیلی ویژن پر بھی ایسے کارٹون اور کہانیاں شوق سے دیکھتے ہیں۔

'جنگل کی کہانی' رمیش نارائن تیواری کی عمدہ کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ زینت شہریار نے کیا ہے، بھیڑیا، شیر، بندر، اژدھا، موگلی اور فا وغیرہ اس کتاب میں بیس کہانیاں شامل ہیں جو آپس میں مربوط ہیں۔ بچوں کی دلچسپی اور پسندکے پیش نظر 'جنگل کی کہانی' کے عنوان سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے امید ہے کہ اسے آپ پسند کریں گے اور ان سے سبق بھی حاصل کریں گے۔

اب تک آپ بھیڑیا اور گیدڑ، شیر خاں کی دھمکی، بھیڑیا گروہ میں موگلی کا مطالعہ، شیر خاں کی سازش، لال پھول کا کرشمہ، موگلی جنگل سے انسانوں کی بستی میں پڑھ چکے ہیں۔ بھیڑیا بچہ سے انسان بچہ میں بتایا گیا ہے کہ

موگلی جنگل کو چھوڑ کر اب انسان کی بستی میں رہ رہاتھا، وہ گاؤں والے کے رہن سہن اورطور طریقے سے بالکل انجان تھا، وہ انسان کو انسان کے طورپر دیکھتاتھا، ذات پات اوراونچ نیچ کی بات اس کی سمجھ سے باہرتھی، وہ کبھی کبھی گاؤں کے چوپال پر بھی جایاکرتاتھاوہاں لوگ دیوی، دیوتاؤں اورجنگلی جانوروں کی جھوٹی سچی کہانیاں سنایاکرتے تھے جسے سن کر موگلی کو بہت ہنسی آتی تھی۔گاؤں والے کے مشورے سے موگلی کو مویشی چرانے کے کام پر لگادیاگیا۔اب آگے (ادارہ)

شیر خاں کا خاتمہ

ہندوستانی گاؤں کی ایک خوبی یہ ہے کہ تھوڑے سے لڑکے مویشیوں کا جھنڈ لے کر چراگاہ کی سمت نکل جاتے ہیں اورشام کوواپس لے آتے ہیں۔ وہی بڑی گائیں اور بھینسیں جوکسی اجنبی کودیکھ لیں تواسے کھدیڑ کر روند ڈالیں گی، مشکل سے اپنی تھوتھنی تک پہنچنے والے ان لڑکوں کی ڈانٹ پھٹکار اور دھکا مکی بڑے پیار سے برداشت کرتی ہیں۔

جب تک مویشی ایک جگہ جھنڈ میں اکٹھا رہتے ہیں تب تک ان پر حملہ کرنے کی ہمت کوئی باگھ بھی نہیں کرسکتا۔ لیکن جب چرواہا لڑکے پھول توڑنے یا گرگٹ مارنے کے چکر میں غیرمحتاط ہوجاتے ہیں تب کبھی کبھی مویشی بھی ادھر ادھر بکھر جاتے ہیں۔

دوسرے دن موگلی مویشی کے جھنڈ کے ساتھ دیگر چرواہا لڑکوں کا رہنما بنا ہوا نکلا۔ اس نے جھنڈ کے راما نام کے سب سے بہادر اور طاقتور بھینسے کواپنی سواری کے لیے

چنا اور ایک چھری لے کر اس کے اوپر سوار ہو گیا۔ اس نے بقیہ لڑکوں سے کہا کہ وہ سب گایوں کا جھنڈ لے کر پیچھے پیچھے آئیں۔ وہ خود بھینسوں اور بھینسیوں کو لے کر آگے چل دیا۔

اپنی سواری پر بیٹھا موگلی جھنڈ کو چراگاہ کے اس سرے پر لے گیا جہاں بان گنگا ندی جنگل سے نکل کر باہر میدان میں آتی ہے۔ وہاں وہ راما کی پیٹھ پر سے کود پڑا اور بانس کے جنگل میں گھس گیا۔ روپا بھائی بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ملتے ہی موگلی نے شیر خاں کے سلسلے میں جانکاری مانگی۔

''شیر خاں جنگل میں واپس لوٹ آیا ہے'' روپا بھائی نے کہا۔ ''وہ اس جگہ تیرے انتظار میں کئی دن تک آتا رہا۔ یہاں شکار کی کمی کے سبب اب وہ کچھ دنوں کے لیے کہیں باہر گیا ہے۔ پھر لوٹ کر تجھے مارنے کا اس کا پکا ارادہ ہے۔''

''بہت ٹھیک''۔ موگلی نے کہا۔ ''جب تک شیر خاں باہر گیا ہوا ہے تب تک تو یا چار بھائیوں میں سے کوئی ایک اس سامنے والی چٹان پر روز صبح بیٹھتا رہے تا کہ صبح گاؤں سے باہر آتے وقت یہ معلوم کر سکوں کہ شیر خاں ابھی واپس نہیں لوٹا ہے۔ جب وہ واپس لوٹ آئے تب تو میدان کے بیچ میں ڈھاک کے اس بڑے درخت کے نیچے والی کھڈ میں میرا انتظار کرنا۔ شیر خاں کے منہ میں جان بوجھ کر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے ہمیں اب آئندہ سے ذرا ہوشیار اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

اس کے بعد کئی دنوں تک موگلی روزانہ گاؤں سے بھینسوں کا جھنڈ لے کر نکلتا اور انھیں ان کی من پسند دلدل تک لے جا کر چھوڑ دیتا جہاں وہ سب اتھلے پانی میں گھس کر لیٹ جاتیں اور لکڑی کے کالے کالے کندوں کی طرح پڑی رہتیں۔ روزانہ اسے روپا بھائی چٹان پر بیٹھا نظر آتا تھا، جس سے اسے پتہ چلتا رہتا تھا کہ شیر خاں ابھی واپس نہیں لوٹا ہے۔ بھینسوں کو چھوڑ کر وہ روز کی طرح گھاس پر لیٹ جاتا، زمین میں کان لگا کر چاروں طرف ہو رہی عجیب عجیب آوازیں سنتا رہتا اور جنگل کے گزرے ہوئے دنوں کے خواب دیکھا کرتا۔

یوں ہی کئی دن گزر گئے۔ پھر ایک دن ایسا آیا جب اسے روپا بھائی اپنے مقررہ مقام پر نہیں دکھائی دیا۔ وہ مسکرایا۔ بھینسے اور بھینسیوں کو ہانک کر وہ میدان کے بیچوں بیچ کھڑے اس بڑے ڈھاک کے پیڑ کی طرف لے گیا۔ یہ پیڑ سنہرا پن لیے لال رنگ کے خوبصورت پھولوں سے لدا ہوا تھا۔ روپا بھائی کھڈ میں بیٹھا تھا اور اس کے جسم کا رواں رواں اشتعال سے کھڑا ہوا تھا۔ موگلی کو دیکھتے ہی وہ بولا:

''چھوٹے بھائی، شیر خاں ایک مہینے تک چھپا بیٹھا رہا تا کہ تو اس کی طرف سے بے احتیاط ہو جائے۔ کل رات وہ تباکی کو ساتھ لے کر ہماری سرحد میں واپس آ پہنچا ہے۔ اس وقت وہ تیری تلاش میں بے چین گھوم رہا ہے۔''

روپا بھائی یہ سب کچھ ایک سانس میں

کہہ گیا۔

موگلی کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ بولا ''میں شیر خاں سے نہیں ڈرتا لیکن یہ تباکی کا بچہ بڑا ہی چالاک ہے۔''

''تو بالکل فکر مت کر''۔ روپا بھائی اپنے ہونٹ چاٹتا ہوا بولا۔ آج صبح صادق ہوتے ہی تباکی سے میری ملاقات ہوگئی تھی۔ اس وقت تو وہ اپنی ساری چالاکی چیل اور گدھوں کو سمجھا رہا ہوگا۔ میں نے اس کی ریڑھ کی ہڈی توڑنے سے پہلے ہی اس سے سب کچھ اگلوایا تھا۔ اس نے جو کچھ بتایا اس کے مطابق شیر خاں آج شام کو گاؤں کے پھاٹک پر تیرا، صرف تیرا انتظار کرے گا۔ یوں اس وقت وہ بان گنگا کے پاس والے بڑے نالے میں پڑا آرام کر رہا ہے۔''

''اس نے کچھ کھایا پیا ہے یا وہ خالی پیٹ میرا انتظار کرے گا؟'' موگلی نے پوچھا۔ یہ سوال بہت اہمیت رکھتا تھا کیونکہ اس کے جواب پر اس کی زندگی اور موت کا انحصار تھا۔

''اس نے آج تڑکے ہی ایک سور مارا تھا اور اسے کھانے کے بعد وہ پانی بھی پی چکا ہے۔'' روپا بھائی نے بتایا۔ ''شیر خاں کبھی بھوکا نہیں رہ سکتا، خواہ انتقام لینے کے لیے یہ ضروری ہی کیوں نہ ہو۔''

''بیوقوف کہیں کا، بیوقوف کہیں کا۔ اوہ، یہ اس نے کیسی بچوں جیسی نادانی کی ہے۔ کھایا بھی اور بھر پیٹ پانی بھی پی لیا اور اب وہ سوچتا ہے کہ میں اس وقت تک خاموش چپ بیٹھا رہوں گا۔ جب تک وہ آرام کر کے اٹھ نہیں جاتا؟ اچھا وہ کہاں سو رہا ہے؟ بڑے والے نالے میں؟''

موگلی اپنے منہ میں ایک انگلی ڈالے بہت دیر تک غور و خوض کرتا کھڑا رہا۔ ''ہوں'' وہ جیسے کسی فیصلے پر پہنچتا ہوا آخر میں بولا۔ ''وہ بڑا نالا اس جگہ سے قریب آدھا میل آگے میدان میں آ کر نکلتا ہے۔'' وہ اپنے آپ سے ہی بات کر رہا ہو، اس انداز سے اس نے کہا۔ ''اگر میں بھینسوں کا جھنڈ لے کر نالے کے سرے کی طرف سے داخل ہو جاؤں؟ لیکن نہیں۔ اس حالت میں تو شیر خاں نالے کے دوسرے سرے سے نکل جائے گا۔ اس کے لیے تو نالے کے دوسرے سرے کی ناکہ بندی کر کے اس کے بچ کر نکل بھاگنے کا راستہ روکنا ضروری ہے۔''

اس نے روپا بھائی کی جانب مڑ کر دریافت کیا۔ ''روپا بھائی، کیا تو میری بھینسوں کو دو جھنڈوں میں نہیں تقسیم کر سکتا؟''

''میں تو شاید نہ کر سکوں، لیکن میں اپنے ساتھ ایک انتہائی چالاک اور ہوشیار مددگار لایا ہوں۔'' یہ کہہ کر روپا کچھ دور گیا اور ایک گڈھے میں پھاند کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے گڈھے کے اوپر ایک بھورے رنگ کا انتہائی بڑا سر نکلتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس تپتی ہوئی دوپہر میں میدان کی ہوا میں ایک بھیانک چیخ گونج اٹھی۔ جنگل میں چیخنے کی اس بھیانک آواز کو جانور پہچانتے

ہیں۔ یہ آواز تھی ایک بھیڑیے کے منہ سے نکلنے والی اس کی بھیانک شکاری للکار۔

'اکیلا' تالی بجاتا ہوا موگلی اچھل پڑا۔ ''میں جانتا تھا کہ تو مجھے بھولے گا نہیں۔ اس وقت ایک بڑا بھاری کام آپڑا ہے۔ تو میری بھینسوں کو دو جھنڈوں میں تقسیم کردے۔ اکیلا ایک طرف مادہ بھینس اور ان کے بچے ہوں اور دوسری طرف نر بھنسیے ہوں۔''

سوال جواب میں وقت ضائع کیے بغیر دونوں بھیڑیے (اکیلا اور روپا) بھینسوں کے جھنڈ میں آڑے ترچھے، ٹیڑھے میڑھے، اندر باہر ادھر ادھر بھاگ دوڑ کرنے لگے۔ بھینسوں نے ایک ہنکار کے ساتھ اپنے منہ اوپر اٹھائے اور دیکھتے دیکھتے ان کا جھنڈ کائی کی پرت کی طرح پھٹ کر دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک جھنڈ میں مادہ بھینسیں اور بچے تھے اور دوسرے میں نر بھینسے۔ ویسے تو نر بھینسے ڈکارتے ہوئے اور کھر پٹکتے ہوئے بڑے رعب دار لگ رہے تھے لیکن دراصل آنکھوں سے آگ برساتی اور کھروں سے دھول اڑاتی مادہ بھینسیں نر بھینسوں سے زیادہ خوفناک تھیں، کیونکہ انھیں اپنے بچوں کی حفاظت جو کرنی تھی۔ اپنے بچوں کو بیچ میں گھیر کر وہ سب ایسی تیار کھڑی ہوگئی تھیں کہ اگر ایک بھی بھیڑیا ایک منٹ بھی کہیں ایک جگہ ٹھہر جائے تو وہ سب اسے روند ڈالیں۔

کپڑے کو جس آسانی سے قینچی سے کاٹ دیا جاتا ہے اسی آسانی سے ان دونوں بھیڑیوں نے جھنڈ کو بڑی صفائی سے دو گٹوں میں بانٹ دیا تھا۔ چھ آدمی بھی مل کر یہ کام اتنی خوبی سے اور اتنی جلدی نہیں کر سکتے تھے۔

''اب کیا حکم ہے؟'' ہانپتا ہوا اکیلا بولا۔ ''جلدی کرو کیونکہ دونوں جھنڈ پھر ایک میں ملنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

موگلی اچھل کر راما کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہوئے بولا۔ ''نر بھینسوں کو بائیں طرف کھدیڑ 'اکیلا' روپا بھائی، جب تک ہم لوگ دور نہ نکل جائیں تب تک مادہ بھینسوں کو تتر بتر مت ہونے دینا اور پھر انھیں نالے کے دوسرے سرے سے اندر کی طرف کھدیڑ دینا۔''

''کتنی دور تک؟'' روپا بھائی نے ہانپتے ہوئے پکارا۔ اس کے چمکدار سفید اور نکیلے دانت دکھائی دے رہے تھے۔

''انھیں نالے میں اس جگہ تک لے جانا جہاں وہ اتنا گہرا ہو کہ شیر خاں چھلانگ لگا کر اوپر نہ چڑھ سکے۔'' موگلی نے چلا کر کہا۔ ''انھیں وہاں تک روکے رہنا جب تک ہم دوسری طرف سے نہ پہنچ جائیں۔''

یہ کہنے کے ساتھ ہی اکیلا کی ہنکار پا کر راما کی پیٹھ پر سوار موگلی اور اس کے پیچھے پیچھے نر بھیسوں کا جھنڈ جنگل کی طرف بھاگ چلا۔ دور کھڑے چرواہا لڑکوں نے موگلی کے پیچھے پیچھے بھینسوں کا جھنڈ جنگل میں گھستے دیکھا تو وہ چیختے چلاتے گاؤں کی طرف بھاگے۔ وہ چلا رہے تھے کہ بھینسے پاگل ہو کر موگلی کو لیے دیے جنگل میں بھاگ گئے ہیں۔ جنگل میں نالے کے سرے پر موگلی نے اپنے جھنڈ کو روک دیا۔ حملہ کرنے سے پہلے اس نے اپنے ہاتھوں کا چونگا بنا کر منھ سے لگایا اور نالے کا رخ کر کے خوب زور سے چلایا جیسے کوئی کسی سرنگ میں چلائے۔ اس طرح اس کی آواز گونجی اور اس کی صدائے بازگشت ایک چٹان سے دوسری چٹان پر اچھلتی اور کودتی پھاندتی ہوئی نالے کے دوسرے کنارے تک پھیلتی چلی گئی۔

کچھ دیر بعد جواب میں ایک باگھ کی السائی ہوئی آواز

سنائی دی یہ آواز بھرپیٹ کھانا کھا چکے باگھ کی آواز تھی۔

''کون پکار رہا ہے؟'' شیر خاں نے آواز دی۔ اس کا بولنا تھا کہ ایک خوبصورت سامور نالے میں سے پھڑ پھڑا تا ہوا پر اٹھایا اور ایک طرف کو اڑ گیا۔

''میں ہوں، ابے مویشی چور! اب تیرے مجلس گاہ پر پہنچنے کا وقت آپہنچا ہے۔'' اس کے بعد موگلی نے اکیلا کی طرف مڑ کر کہا میں ہوں موگلی نیچے، نیچے کی طرف ہانک، اکیلا۔ خوب تیزی سے ہانک۔ راما، نیچے اتر، نیچے نالے میں اتر بیٹا۔''

راما اور دوسرے بھینسے ایک لمحہ کو نالے میں سیدھی اتر جانے والی گہری ڈھلوان کے سرے پر ٹھٹکے، لیکن اسی وقت اکیلا کے منہ سے خوفناک شکاری للکار نکلی۔ دوسرے ہی لمحے پورا جھنڈ نالے میں اترا تو گیا، ایک دم پھاند سا گیا۔ ڈھلوان سے اتر کر نالے کی ہموار سطح پر پہنچتے پہنچتے راما کو شیر خاں کی مہک مل گئی۔ اس کے نتھنے پھول گئے اور وہ ایک گہرا ہنکار لگا کر کسی راکشش کی مانند پاگل جیسا آگے جھپٹا۔ اس کی پیٹھ پر بیٹھا موگلی خوشی سے چلا اٹھا۔ آہا، تو اب سمجھا بیٹا، اب سمجھا۔''

راما کے پیچھے پیچھے نکیلی سینگ والے نر بھینسوں کا گروہ برسات کی منہ زور پہاڑی ندی کی مانند شور مچاتا ہوا بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زلزلے سے بڑی بڑی کالی چٹانیں ٹوٹ ٹوٹ کر پہاڑی سے نیچے لڑھکتی چلی جا رہی ہوں۔ یہ بھینسوں کا وہ خوفناک دھاوا تھا جس کے آگے ٹھہر سکنے کا حوصلہ کسی باگھ میں نہیں ہوتا۔ شیر خاں نے کھروں کی گڑگڑاہٹ سنی تو ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور گھبرا کر نالے کے نیچے کی جانب بھاگ چلا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا بھی جاتا تھا کہ کہیں نالہ کم گہرا ہو تو پھاند کر اوپر چڑھ جائے۔ بھرپیٹ کھانا کھانے اور پانی پینے کے بعد وہ اپنے جسم میں بہت بھاری پن محسوس کر رہا تھا اور اس وقت لڑائی سے گریز کرنے کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھا۔ موگلی نے شیر خاں کو آگے آگے بھاگتے دیکھا اور ٹھیک اسی وقت اس نالے کے دوسرے کنارے سے رنبھانے کی آواز سنائی دی۔ اس آواز کے ساتھ ہی اس نے شیر خاں کو اپنی طرف مڑتے دیکھا شیر خاں جانتا تھا کہ لڑنا ہی ہے تو نر بھینسوں سے لڑنا زیادہ اچھا ہے، جس میں بچ نکلنے کی کچھ گنجائش بھی تھی۔ اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے مشکوک مادہ بھینسوں سے بھڑ کر بچ نکلنے کی امید نرا بیوقوف بھی نہیں کرسکتا۔ شیر خاں مڑ کر ابھی ٹھیک سے سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ راما اس کے اوپر آپڑا۔ راما کے پیر پل بھر کو لڑکھڑائے لیکن وہ فوراً سنبھل گیا۔ وہ کسی ملائم چیز کو روندتا ہوا اسی تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کے پیچھے سب بھینسے اسی طاقت اور سرعت سے بھاگتے چلے آرہے تھے۔ آگے پہنچ کر نر اور مادہ بھینسوں کے مخالف سمتوں سے آرہے جھنڈ ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ دونوں ہی جھنڈ نالے سے باہر میدان میں نکل آئے۔ شیر خاں کو مزید روندنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ مر چکا تھا۔ آسمان میں منڈلا رہے گدھ دھیرے دھیرے اترتے ہوئے اس کی جانب آنے لگے تھے۔

■

ماخذ: جنگل کی کہانی: رمیش نارائن تیواری، **مترجمہ:** زینت شہریار
دوسری اشاعت: 2022
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

چاند کا سفر

اگلے دن شام کو دادا جی گھر لوٹے تو ان کے ہاتھ میں کئی خطنگے تھے۔ دادا جی نے بچوں کو اپنے پاس بلایا۔ راکیش، رچنا اور چھایا تینوں حیران تھے کہ دادا جی کو کیا سوجھی۔ یہ خطنگے کس لیے لائے ہیں؟

چھایا بولی: ''دادا جی یہ تو بچوں کے چھوڑنے کے ہوتے ہیں۔ ہمیں دیجیے نا۔''

دادا جی بولے'' کل میں نے راکٹ کی بات بیچ میں ہی چھوڑ دی تھی۔ یہ خطنگے راکٹ خاندان کے ننھے منے کہے جاسکتے ہیں۔ یہ دیکھو پتلی لمبی ڈنڈی کے سرے پر گتے کی نلی لگی ہے۔ اس نلی میں بارود بھرا ہے اور اس میں فلیتہ لگا ہے۔ بارود جلنے سے گیسیں بنتی ہیں۔ جو پیچھے کو تیزی سے نکلتی ہیں۔ اس کے ردعمل سے پٹاخہ آگے کو ہی بھاگتا ہے۔ بس ایسا ہی راکٹ میں بھی ہوتا ہے۔ دادا جی نے دیا سلائی کی تیلی جلا کر خطنگے میں لگا دی۔ چھرر چھرر کی آواز کرتا وہ تیزی کے ساتھ آسمان میں اڑا۔ کچھ اونچائی پر پہنچ کر پھٹ گیا۔ اس میں رنگ برنگے تارے سے جھڑنے لگے۔ تینوں بچوں نے بھی ایک ایک خطنگا چھوڑا۔

دادا جی بولے'' آتش بازی کے لیے ہمارے دیش میں اور چین میں بہت پرانے زمانے سے اس طرح کے راکٹ چھوڑے جاتے ہیں۔ کرشن جی کے سدرشن چکر کو بڑھیا قسم کا راکٹ ہی کہا جاسکتا ہے۔ مہابھارت میں آتشیں تیروں کا ذکر تم نے پڑھا ہوگا۔ یہ آتشیں تیر آج کے راکٹ جیسے ہی تو تھے۔

اس طرح بھارت میں راکٹ کا چلن بہت پرانا ہے۔ پھر بھی اس کی ایجاد کا سہرا چینیوں کے سر ہے۔ تاریخ میں تم نے پڑھا ہوگا کہ گنتور میں حیدر علی نے انگریزوں سے لوہا لیا تھا۔ اس وقت حیدر علی (1780) کے فوجیوں نے راکٹ بھی چھوڑے تھے۔ حیدر علی کی راکٹ

والی فوج میں بارہ سو سپاہی تھے۔ حیدر علی کے راکٹ لوہے کے بنے تھے اور وہ آگے سے بند ہوتے تھے۔ یہ راکٹ بانس کے سر پر لگا کر داغے جاتے تھے۔ حیدر علی کے بعد ٹیپو سلطان کی فوج بھی راکٹوں کا استعمال کرتی تھی۔ یہ راکٹ دو کلومیٹر کی دوری تک مار کرتے تھے۔"

راکیش نے کہا "دادا جی راکٹ تو بہت کارآمد ہے۔ خلائی جہاز کو اوپر بھیجنے کے کام آتے ہیں۔ لڑائی میں یہ خوفناک ہتھیار کا کام بھی دیتے ہیں۔"

دادا جی نے بتایا "ہاں ہاں میزائل... (دور سے پھینکنے والا ہتھیار) اس زمانے کا سب سے خوفناک ہتھیار ہے۔ یہ راکٹ ہی کی ارتقائی صورت ہے۔ مصنوعی سیارے یا نقلی چاند یا خلائی جہازوں کو بہت اونچائیوں تک چھوڑنے کے لیے تو راکٹ ہی ہوتے ہیں۔ ایسے جہازوں کو رفتار دینے والے راکٹوں میں ایک خاص صفت ہوتی ہے۔ ان میں سارا ایندھن ایک بار میں ہی نہیں جلتا تھوڑا تھوڑا کر کے کئی بار میں جلتا ہے۔ ایسے راکٹ کثیر الحصص کہلاتے ہیں۔"

رچنا بولی "تو خطنگے کی طرح راکٹوں میں بھی بارود ہی بھری جاتی ہوگی۔"

دادا جی بولے "راکٹوں میں دو طرح کا ایندھن بھرا ہوتا ہے۔ ان میں اکثر بارود ہی ہوتی تھی۔ سائنس دانوں نے دیکھا کہ ٹھوس ایندھنوں میں خامیاں ہیں۔ تب انھوں نے سیال ایندھنوں کو پرکھا۔ سیال ایندھنوں سے نکلنے والی گیسوں کی رفتار کافی زیادہ پائی گئی۔ یعنی سیال ایندھن والے راکٹ زیادہ تیز چل سکتے ہیں۔ اس لیے سائنس دانوں نے راکٹوں میں سیال ایندھنوں کو کام میں لانا شروع کیا۔ جدید راکٹوں میں زیادہ تر سیال ایندھن ہوتا ہے۔ مصنوعی سیارے یا خلائی جہاز میں ایسے ہی راکٹ کام میں لاتے ہیں۔"

چھایا ان باتوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ اس نے کہا "دادا جی۔ خلائی جہاز کیسا ہوتا ہے، یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں۔"

دادا جی کچھ سوچتے ہوئے بولے "خلائی جہاز کے بارے میں گگارن نے کیا لکھا ہے۔ وہ میں تمھیں بتاتا ہوں۔"

یوری گگارن کے کہنے کے مطابق "پہلی بار خلائی جہاز دیکھ کر میرے دل میں ایک شیریں نغمہ گونجنے لگا۔ اس کا بیان لفظوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ اس جہاز کے بارے میں ہزار بار سننے سے کہیں اچھا، اسے ایک بار دیکھ لینا ہے۔"

چھایا اور رچنا دادا جی سے یہ ضد کرنے والی تھیں کہ وہ خلائی جہاز دکھا دیں تبھی دادا جی نے اپنی بات آگے بڑھائی۔ "لیکن بچو ابھی تو تم اس جہاز کو دیکھ نہیں سکتے۔ ہاں اس کے فوٹو تم نے دیکھے ہوں گے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایسے فضائی جہاز میں سفر بھی کر سکو گے۔" "ایسے جہاز کا خاص حصہ اس کا کیبن ہوتا ہے۔ یہ کیبن معمولی ہوائی جہاز کے کیبن سے کافی بڑا ہوتا ہے۔ خلائی مسافر اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی زمین کے کنٹرول اسٹیشن سے تعلق قائم رکھ سکے۔ اس کا انتظام ہوتا ہے۔ وہ بیٹھے بیٹھے جہاز کی رفتار کم یا زیادہ کر سکتا ہے۔ مسافر کی کرسی کے سامنے بائیں طرف ایک ڈیسک ہوتی ہے۔ اس پر ہینڈل اور بریک لگے ہوتے ہیں۔ یہیں سے ریڈیو، ٹیلیفون طریق کار اور جہاز کی درجۂ حرارت کو ٹھیک رکھا جاتا ہے۔ کرسی کے سامنے کئی طرح کے آلہ جات لگے ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر جہاز کی

اونچائی، اس کی رفتار وغیرہ کا پتہ لگ جاتا ہے۔ پاس ہی میز پر ٹیلی ویژن کیمرہ ہوتا ہے۔''

رچنا نے بیچ میں ٹوکا ''مسافر کے لیے آکسیجن کا انتظام بھی تو ہوتا ہوگا۔''

دادا جی نے کہا ''کیوں نہیں۔ خلائی مسافر کی کرسی دیکھنے میں ڈاکٹروں کی گھومنے والی کرسی جیسی ہوتی ہے، لیکن اس میں کئی پیچیدہ آلے لگے ہوتے ہیں۔ قطب نما، آکسیجن آلہ اور خلائی پوشاک وغیرہ۔ کرسی میں لگے بٹن کو دبانے پر مسافر کو کھانا، پانی وغیرہ مل جاتا ہے۔ حادثے سے بچنے کے لیے پیراشوٹ اور دوسرے ساز وسامان بھی یہیں رکھے ہوتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ جہازوں میں بہت سی اصلاحات بھی کی جارہی ہیں۔''

راکیش نے پوچھا ''جہاز کو ایئر کنڈیشنڈ رکھا جاتا ہوگا۔''

دادا جی نے جواب دیا ''ہاں ایسا انتظام ہوتا ہے کہ باہر جیسی تیز گرمی اندر نہ ہو۔ جہاز خاص طور سے کئی دھاتوں کی ملاوٹ سے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ ملی ہوئی دھاتوں کا جہاز کئی ہزار ڈگری سینٹی گریڈ کی گرمی میں بھی نہیں پگھلتا۔

دادا جی ابھی بہت کچھ بتاتے، لیکن چھایا شاید اکتا گئی۔ اس نے ایک نیا سوال کر کے بات کو دوسری طرف موڑ دیا۔ وہ بولی۔ دادا جی، انسان نے چاند پر پہنچنے کے خواب دیکھے۔ رات دن ایک کر کے کھوج بین کی۔ راکٹ بنائے۔ راکٹ کی مدد سے مصنوعی سیارے چھوڑے۔ پھر خلائی جہاز چھوڑے۔ ان جہازوں میں آدمی نے سفر کیا۔ خلا میں جہازوں کو جوڑنے کے تجربے کیے اور پھر ایک دن انسان چاند پر جا پہنچا، لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ چاند پر پہنچنے سے فائدہ کیا ہوا۔''

راکیش چپ نہ رہ سکا۔ بولا ''چھایا، تم بیچ میں کچھ چھوڑ گئی ہو۔ اس سب کھوج بین پر کروڑوں بلکہ اربوں کھربوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ دن رات ہزاروں لاکھوں آدمی اس میں لگے رہتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ کئی خلائی مسافر تو بے چارے مارے بھی گئے۔ آخر اتنی بے چینی کیوں ہے۔''

رچنا بھی پیچھے کیوں رہتی۔ وہ بولی ''کہیں ایسا تو نہیں کہ کھودا پہاڑ نکلا چوہا والی کہاوت ہو۔''

دادا جی ان باتوں کو سن کر خوش ہوئے۔ وہ بولے ''تم لوگوں نے اچھی پہیلی میں مجھے الجھا دیا ہے۔''

پر دادا جی ہار ماننے والے نہیں تھے۔ انھوں نے اپنی بات شروع کی۔ ''بچپن میں رام نے ایک بار ضد پکڑ لی۔ چاند کو دیکھ کر وہ گیند سمجھ بیٹھے۔ اسے لینے کے لیے ہٹ کرنے لگے۔ ان کی ماں کوشلیا نے بہت سمجھایا۔ بال ہٹ تو بے مثل ہوتی ہے۔ سمجھانے پر بھی وہ نہیں مانے۔ آخر ایک ترکیب نکالی گئی۔ پانی میں پڑی چاند کی پرچھائیں رام کو دکھائی۔ رام چاند کو پاس آیا ہوا سمجھ کر، ہاتھ مارنے لگے۔ تب کہیں چپ ہوئے۔ تو ان سب بھاگ دوڑ کے پیچھے بھی انسان کی ہٹ ہے۔ وہ انجانے خلا اور کائنات کے بارے میں زیادہ جاننا چاہتا ہے۔ پھر اس کے پیچھے اور بھی کئی وجوہات ہیں۔ رچنا تم رسی لے کر کودا کرتی ہو۔ بتاؤ کہ تم کتنی اونچی چھلانگ لگا سکتی ہو۔''

رچنا بولی ''تین فٹ یا بہت زور ماروں تو چار فٹ۔

دادا جی بولے۔ اتنی طاقت لگا کر تم اٹھارہ فٹ اونچی کود سکتی ہو۔ آدمی زمین کے مقابلے میں چاند پر چھ گنا اونچی

چھلانگ لگا سکتا ہے۔ اس کے پیر زمین کو چھوئیں گے تو چوٹ بھی کم لگے گی۔ بتا سکتے ہو ایسا کیوں ہوگا۔''

تینوں بچے چپ رہے۔ اس گتھی کو وہ سمجھ نہیں سکے۔ دادا جی نے ہی بتایا۔''اس کا سبب ہے کہ چاند پر کشش ثقل زمین کی کشش ثقل کی طاقت کا چھوٹا حصہ ہی ہے۔ اس لیے جس کا وزن زمین پر 60 کلو ہے وہ چاند پر 10 کلو کا ہی ہوگا۔ آدمی کو ہاتھ پیر چلانے میں وہاں کم طاقت لگانی پڑے گی۔ بھاری بھاری مشینوں کو بھی وہاں بہت کم طاقت لگا کر چلایا جا سکے گا۔

راکیش نے دادا جی کو ٹوکا''لیکن چاند پر نہ ہوا ہے نہ پانی۔ دن میں بے حد گرمی ہوتی ہے۔ رات میں کڑکڑاتی ٹھنڈ۔ نہ وہاں پیڑ پودے ہیں نہ جانور۔ پھر آدمی وہاں کیسے رہے گا؟ کیوں رہے گا؟''

دادا جی نے الجھن سلجھانے کی کوشش کی۔ سب کچھ انسان دھیرے دھیرے مہیا کر لے گا۔ کچھ چیزیں وہاں کی چٹانوں سے بن سکیں گی۔ یہ بھی امید ہے کہ وہاں پر قیمتی دھاتیں مل جائیں۔ وہاں انسان ایسی تجربہ گاہیں تیار کرنا چاہے گا۔ جن میں سائنس کی بہت سی گتھیاں سلجھ سکیں۔ ایسی کئی دریافتیں کی جا سکیں گی جو زمین پر کرنی بہت کٹھن ہیں۔ صفر کے ماحول میں انجینئری، طبعیات اور کیمیا کی نئی نئی دریافتیں ہو سکیں گی۔ ٹیلی ویژن اور ٹیلیفون کے میدان میں بھی بہت سے عجوبے عمل میں آ سکیں گے۔ چاند کی تحقیق کرنے میں سائنس اور تکنیک کی بہت ترقی ہوئی ہے۔ طرح طرح سے اس کے فوائد انسان کو ملنے لگے ہیں۔''

دادا جی ایک پل کو رُکے۔ پھر بولے''اور ان سب سے بڑھ کر تو یہ ہے کہ زمین کے موسم اور ہوائی کرہ کے بارے میں بالکل نئی طرح کی معلومات حاصل ہو سکے گی۔ دوسرے سیاروں کے بارے میں بھی انسان زیادہ جان سکے گا۔''

چھایا بولی''شاید وہاں پہنچ بھی جائیں۔''

دادا جی نے کہا''ہاں ہاں چاند پر پہنچنے سے ہی اس کی تسلی نہیں ہوگی۔ وہ ایسے سیاروں کو تلاش کرے گا۔ جو زمین سے دکھائی بھی نہیں دیتے۔ جن سیاروں کو ہم جانتے ہیں ان پر پہنچنے کی کوشش کرے گا اور بھائی۔ ایک بات بڑی مزے دار ہے۔ شاید انسان کو کسی دوسرے سیارے پر انسان بھی مل جائے۔ یا انسان نما کوئی جاندار مل جائے۔''

تینوں بچوں کے لیے یہ بات دلچسپ تھی لیکن رات کافی ہوگئی تھی۔ دادا جی نے کہا۔''اب سو جاؤ۔ اس بارے میں پھر بات کریں گے۔''

چھایا کو یاد آیا کہ چاند پر انسان کے سفر کے بارے میں اسے کلاس میں ایک مضمون لکھنا ہے۔ اس نے دادا جی سے کہا''مجھے یہ تو معلوم ہے کہ چاند پر سب سے پہلے نیل اے آرم آسٹرانگ اور ایڈون ایلڈرن پہنچے، لیکن اور بہت سی باتیں نہیں معلوم آپ ان کے بارے میں بھی کچھ بتائیں۔''

دادا جی اونگھتے ہوئے بولے''اچھا کل میں تمھیں اس سفر پر لے چلوں گا۔''

■

ماخذ: چلو چاند پر چلیں، مصنف: جے پرکاش بھارتی
تیسری طباعت: 2009
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

اشرف آثاری

ہکلاہٹ، لکنت (Stammering/ Stuttering) اور بچے

ماہرین کے ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت دنیا بھر میں 7 کروڑ سے زیادہ افراد، جو تقریباً دنیا کی آبادی کا ایک فیصد حصہ بنتا ہے ہکلاہٹ کے عارضے میں مبتلا ہیں جن کی زبان میں لکنت ہے عام طور پر اس طرح کے لوگ بات کرنے کے دوران یا پھر کسی ہجوم میں بات کرتے ہوئے ہکلانے لگتے ہیں ایسے لوگوں میں عام طور پر خود اعتمادی کی کمی ہوتی ہے جو زندگی میں ان کے لیے کئی طرح کے مسائل پیدا کر دیتا ہے۔

پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہکلاہٹ کسے کہتے ہیں اس سے قبل سرسری طور پر یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہم کیسے بولتے ہیں یا بات کرنے میں ہمارے کون کون سے اعضا کا کیا کیا کردار ہوتا ہے۔ بولنے کے آلات میں حنجرہ (آلۂ صوت) جسے ہم ساؤنڈ بکس بھی کہہ سکتے ہیں بہت اہم ہوتا ہے، یہ ہوا کی نالی کے بالائی سرے پر موجود ہوتا ہے اور اس میں آواز کی ڈوریاں بالکل اسی طرح سے تنی ہوئی ہوتی ہیں جس طرح کہ ایک ستار میں تار کھنچے رہتے ہیں۔ حلق، زبان، ہونٹ، منہ، تالو وغیرہ اعضا بھی بولنے میں ایک اہم رول ادا کرتے ہیں ان کے علاوہ سر میں موجود تمام کھوکھلے حصے، جنھیں تجاویف یا سائنس کہا جاتا ہے، بھی بات کرنے یا بولنے کے عمل میں معاون و مددگار ہوتے ہیں۔ جب بھی کچھ بولنے یا کلام کرنے کا خیال ذہن میں پیدا ہوتا ہے تو دماغ سے احکامات جاری ہو جاتے ہیں، فوراً ہی ہوا حنجرے سے گزرنے لگتی ہے۔ جس سے بالکل اسی طرح سے آواز پیدا ہوتی ہے جس طرح سے ہارمونیم کے پردے کو ہلانے سے آواز پیدا ہو جاتی ہے مگر ہارمونیم سے نکلی ہوئی اس آواز میں یکسانیت ہوتی ہے۔

جب ہم دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انسانوں میں پائی جانے والی یہ خامی یا مرض بہت پرانا اور قدیم ہے۔ قدیم یونان کے ایک معروف مقرر ڈیماس تھینس بھی لکنت کے شکار تھے جنھیں

بابائے مقررین کہا جاتا تھا۔ ہر برس دنیا بھر میں 22/ اکتوبر کو عالمی سطح پر لکنت یا ہکلاہٹ کے ضمن میں بیداری کا دن منایا جاتا ہے۔

ہکلاہٹ کی مختصر علامات

ہکلاہٹ کی مختصری علامات کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

1 کوئی لفظ حرف یا جملہ ادا کرنے میں دشواری پیش آنا۔

2 بولتے وقت کسی خاص لفظ کو اٹک اٹک کر بولنا یا پھر آواز کو طول دینا۔

3 آواز، حرف یا لفظ کو تکرار کے ساتھ ادا کرنا۔

4 بعض الفاظ یا حروف کو ادا کرتے وقت اٹکنا، رک جانا یا پھر ٹھہر ٹھہر کر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بیان کرنا۔

5 مشکل الفاظ یا جملوں کی ادائیگی میں چہرے یا پھر جسم کے اوپری حصے میں جکڑن تناؤ یا حرکت دینا۔

6 گفتگو کرنے میں مشکل پیش آنا اور روانی کو قائم نہ رکھ سکنا۔

7 اپنی اس غیر فطری حالت سے پریشان ہونا یا غصے میں مبتلا ہو جانا۔

8 تیزی سے آنکھیں جھپکنا، ہونٹوں یا جبڑے کا کانپنا، سر جھٹکنا، مٹھی بند کرنا، وغیرہ۔

وجوہات و اسباب

ماہرین طب وسائنس اس سلسلے میں کچھ کہنے سے قاصر ہیں کہ یہ بیماری یا عادت کیسے پیدا ہوتی ہے اور اس کے وجوہات واسباب کیا ہیں۔ ان میں زیادہ تر کا یہ خیال ہے کہ اس کی مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں جن میں چند ایک یوں ہیں۔

جینیاتی وجہ یا سبب: زیادہ تر ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ ایک موروثی مرض ہوسکتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا مریضوں پر ایک سروے کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ 60% ہکلوں میں یہ بیماری یا مرض ان کے قریبی رشتے داروں سے آیا ہوتا ہے۔ جینیات یا وراثتی وجوہات کے سبب سے، دیگر وجوہات میں گھر یا اسکول کی وجہ سے ملنے والا ذہنی دباؤ یا Stress، جینز میں پایا جانے والا کوئی نقص یا پھر کسی جسمانی عضو کا ممکنہ بگاڑ یا خرابی وغیرہ اس کے وجوہات ہوسکتے ہیں۔ گفتگو یا بات کرنے کی اس شکایت کے زیادہ شکار بچے ہوتے ہیں وہ بھی دو سے پانچ برس کی عمر والے زیادہ ہوتے ہیں۔ جب ان کے بولنے کی صلاحیتیں ترقی اور نشوونما کی طرف مائل ہوتی ہیں، ایک سروے کے مطابق اس عمر کے بچوں میں 5% بچے ایسے بھی ہوتے ہیں جو عموماً وقتی یا عارضی طور پر اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو بعد میں آہستہ آہستہ ٹھیک بھی ہو جاتے ہیں۔

انسانی آواز کئی مربوط پٹھوں کی حرکت سے وجود میں آجاتی ہے اس عمل میں، پٹھوں کے علاوہ سانس لینے، ہونٹوں اور زبان کو حرکت دینے کا ایک اہم کردار ہوتا ہے۔ نرخرے کا تعلق ذہن سے بتایا جاتا ہے، دماغ، بولنے کے ساتھ ساتھ سننے اور چھونے کی صلاحیتوں کو بھی مانیٹر کرتا ہے۔

زبان کی لکنت کے دو اقسام بتائے گئے ہیں ایک وہ جو عام طور پر چھوٹے بچوں میں اس وقت ہوتی ہے جب وہ بولنا سیکھنے کی عمر میں ہوتے ہیں۔ دوسری قسم کی لکنت اعصابی نوعیت کی ہوتی ہے جس کی وجہ سے سر پہ لگنے والی چوٹ، دل کا دورہ یا کوئی ذہنی دباؤ ہوسکتا ہے۔ ایسے میں دماغ اور آواز پیدا کرنے والے پٹھے، رابطہ، تعطل یا پھر

توقف کا شکار ہو جاتے ہیں، جس سے یہ بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔

علاج و معالجہ: ابھی تک اس مرض کا کوئی باقاعدہ علاج دریافت نہیں ہوا ہے۔ البتہ چھوٹے بچوں کو اکثر اور عام طور پر اسپیچ تھیراپی دی جاتی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اگر بچوں کا موثر اور فوری علاج کم سنی میں ہی ہو تو پھر انھیں آگے چل کر یہ بیماری نہیں ہوسکتی۔ والدین کا بھی اس میں ایک اہم رول ہوتا ہے انھیں مثبت اور خوشگوار ماحول پیدا کرکے بچوں کی بات سننے اور ان کے ساتھ دھیمے، ہمدردانہ اور مشفقانہ لہجے میں بات کرنے کی صلاح دی جاتی ہے اور انھیں خواہ مخواہ ٹوکنے، وسعت سے زیادہ دباؤ ڈالنے سے پرہیز اور ان کی بات سننے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

خواتین کے مقابلے میں مردوں میں ہکلانے کا امکان بہت زیادہ بتایا جاتا ہے۔ ہکلانے یا لکنت کے عوامل میں اضافے کے باعث مندرجہ ذیل وجوہات کو ذمے دار قرار دیا جاتا ہے۔

1 **بچوں کی نشوونما میں تاخیر:** جن بچوں کی نشوونما میں تاخیر یا تقریر کے دیگر مسائل ہوں ان کے ہکلانے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

2 ہکلانے والے رشتے دار یا پھر لکنت کا وراثت میں منتقل ہونا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر والدین ہکلانے کے مرض میں مبتلا ہوں تو ان کے بچوں کو بھی یہ مرض یا عادت لگ سکتی ہے۔

3 ذہنی تناؤ یا کسی قسم کا انتشار ہو یا پھر والدین کا بچوں پر ڈالنے والا ناقابل برداشت بوجھ وغیرہ بھی ہکلانے کے لیے زمین ہموار کرسکتا ہے۔

پیچیدگیاں: معاشرے میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔

دوسروں کے ساتھ بات چیت اور گفتگو کرنے میں مشکلات درپیش آسکتی ہیں۔

بولنے سے گریز اور ضرورت کے وقت بھی خوف و شرمندگی کے ڈر سے خاموش رہنے کو ہی ترجیح دیا جاسکتا ہے۔

سماجی اور معاشرتی طور پر اسکول میں ڈبیٹس، مباحثوں اور دیگر ایکٹو ٹیز میں بھرپور شرکت سے گریز بھی ہوسکتا ہے۔ تاکہ مذاق کا نشانہ نہ بن سکیں۔ اس طرح کے حالات اور برتاؤ کے پیش نظر احساس کمتری کا شکار ہونا بھی لازمی بن سکتا ہے۔

■

Dr. Ashraf Asari
Sudrabal, Hazratbal
Srinagar - 190006 (Kashmir)
Mob.: 9419017246
dr.ashraf.asari@gmail.com

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلومات عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہو جائیں گی۔

1. IIT کا فل فارم کیا ہے؟
2. PIN CODE کا فل فارم؟
3. ریل انجن کا موجد کون ہے؟
4. اقوام متحدہ UNO کا قیام کب عمل میں آیا؟
5. واسکوڈی گاما نے ہندوستان کو کس سن میں دریافت کیا؟
6. خون کے کتنے گروپ ہوتے ہیں؟
7. خون کے لال ہونے کا سبب کیا ہے؟
8. ہندوستان کا قومی نشان کیا ہے؟
9. سب سے بڑے سیارے کا نام بتائیں؟
10. استاد بسم اللہ خاں کا تعلق کس شعبے سے ہے؟
11. اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر کون ہے؟
12. 2023 میں منعقدہ کرکٹ ورلڈ کپ کس ٹیم نے جیتا؟
13. انٹرنیشنل کرکٹ میں سب سے زیادہ کس کھلاڑی نے سنچری لگایا ہے؟
14. میانمار کا پرانا نام کیا ہے؟
15. وندے ماترم کے خالق کون ہیں؟
16. جلیانوالہ باغ کا المیہ کس سال پیش آیا؟
17. ہندوستانی فلم کا سب سے بڑا ایوارڈ کون سا ہے؟
18. لکھنؤ کس ندی کے کنارے واقع ہے؟
19. ہندوستانی ریلوے میں کتنے زون ہیں؟
20. ہندوستان کے سب سے قدیم ہوائی اڈے کا نام کیا ہے؟

(جواب صفحہ نمبر 40 پر ملاحظہ فرمائیں)

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کر سکیں۔ (ادارہ)

ناقوس سے غرض ہے نہ مطلب اذاں سے ہے
مجھ کو اگر ہے عشق تو ہندوستاں سے ہے

—ظفر علی خان

جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

—علامہ اقبال

وطن کی خاک سے مرکر بھی ہم کو انس باقی ہے
مزہ دامان مادر کا ہے اس مٹی کے دامن میں

—برج نارائن چکبست

لہو وطن کے شہیدوں کا رنگ لایا ہے
اچھل رہا ہے زمانے میں نام آزادی

—فراق گورکھپوری

دکھ سکھ میں ہر حالت میں بھارت دل کا سہارا ہے
بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے پیارا ہے

—افسر میرٹھی

تن من مٹائے جاؤ تم نام قومیت پر
راہ وطن پر اپنی جانیں لڑائے جاؤ

—لال چند فلک

اسی جگہ اسی دن تو ہوا تھا یہ اعلان
اندھیرے ہار گئے زندہ باد ہندوستان

—جاوید اختر

دلوں میں حب وطن ہے اگر تو ایک رہو
نکھارنا یہ چمن ہے اگر تو ایک رہو

—جعفر ملیح آبادی

نہ پوچھو ہم سفرو مجھ سے ماجرا وطن
وطن ہے مجھ پہ فدا اور میں فدائے وطن

—مردان علی خاں رانا

زمیں پر گھر بنایا ہے مگر جنت میں رہتے ہیں
ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم بھارت میں رہتے ہیں

—محشر آفریدی

ثمینہ بانو

پتھر چٹا

آج ہم پودوں کے بارے میں چند باتیں کریں گے جو ہماری زندگی کا بہت اہم حصہ ہیں۔ پودوں کے بغیر ہماری زندگی ادھوری ہے جس طرح ہمارا جسم روح کے بغیر ادھورا ہے۔ اسی طرح ہمیں زندہ رہنے کے لیے سانس کی ضرورت ہوتی ہے۔ پیڑ پودوں کے بغیر تازہ سانس لینا ناممکن ہے۔ انھی درختوں سے ہمارا ماحول خوشگوار بنا رہتا ہے۔ درخت ہمیں آکسیجن (O_2) دیتے ہیں اور ہمارے ذریعے خارج کی گئی کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO_2) جذب کرلیتے ہیں جس سے ہم بآسانی صاف وشفاف ہوا میں سانس لے سکتے ہیں اس لیے پیڑ پودوں کا لگانا بہت ضروری ہے۔

پیڑ پودے ہمیں یوں تازہ ہوا دیتے ہیں
جس طرح بچوں کو ماں باپ دعا دیتے ہیں

صرف پودا لگا دینا ضروری نہیں ہے بلکہ ان کی دیکھ بھال کرنا اور وقت وقت پر پانی دینا بھی ضروری ہے۔ پودے تو ہزاروں طرح کے ہوتے ہیں۔ ہر ایک پودے کی الگ الگ خاصیت اور خوبیاں ہوتی ہیں۔ کچھ پھل دار کچھ سایہ دار تو کچھ پیڑ پودے بہت سی اہم جڑی بوٹیاں وغیرہ فراہم کرتے ہیں۔ ان ہزاروں پیڑ پودوں میں سے ہم پتھر چٹا 'Pattarchatta' کی بات کریں گے۔ یہ پودا دیکھنے میں بہت خوبصورت ہے۔ یہ جتنا خوبصورت ہے اتنا ہی فائدے مند بھی ہے۔ یہ سدابہار پودا ہے۔ اسے اگانا بھی بہت آسان ہے۔ اس پودے کا پتہ مٹی میں دبا کر روز پانی دیتے رہنے سے یہ اُگ آتا ہے۔ پتے میں سے ہی بڈس (Buds) یعنی نیا پودا اُگ آتا ہے۔ یہ جسم میں پتھری جیسی کئی بیماری کو بآسانی دور کرتا ہے اور جسم پر لگے گھاؤ کو بھی ٹھیک کردیتا ہے۔ آپ سب جانتے ہوں گے کہ جب جسم میں کیلشیم کی مقدار بڑھ جاتی ہے تب جسم میں پتھری جیسی کئی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں لیکن 'Pattarchatta' پودا اتنا فائدے مند ہے جو پتھری کی بیماری کو بڑی آسانی سے دور کردیتا ہے۔ جن لوگوں کو پتھری ہے انھیں اس کا استعمال ضرور کرنا چاہیے۔

Pattarchatta کھانے میں تھوڑا کھٹا اور کسیلا ہوتا ہے۔ اسے کسی بھی موسم میں استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر اس کا دو پتہ لے کر اچھے سے صاف پانی میں دھو کر صبح نہار منھ ایک گلاس گرم پانی میں استعمال کریں تو اس کے ذریعے پتھری بہت کم وقت میں ٹھیک ہو جائے گی۔ جب اس کا استعمال کریں تو ایک گھنٹے تک کچھ بھی نہ کھائیں نہ ہی پئیں اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ بلڈ پریشر کے مریض اس کا استعمال ہرگز نہ کریں۔ اسے سبزی کے طور پر بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اس کا سائنسی نام 'Kalanchoe Pinnala' ہے اور انگریزی نام برائیوفائیلم (Bryophylum) ہے۔ اس کو زیادہ تر 'پتھر چٹا' Pattarchatta کے نام سے ہی جانا جاتا ہے۔ یہ پودا گردے کی پتھری، کڈنی، کان کا درد، پیٹ درد اور جلد پر لگے گھاؤ وغیرہ کو دور کر دیتا ہے۔ یہ پتھری کے لیے بہت ہی مفید ہے۔

پتھر چٹا Pattarchatta کا طریقہ استعمال مندرجہ ذیل ہے:

(1) چبا کر کھانا (2) پیس کر استعمال کرنا (3) ابال کر استعمال کرنا

چبا کر کھانا: اگر آپ اسے استعمال کرتے ہیں تو چھوٹا پتا لینا چاہیے تا کہ اسے چبا کر اس کا رس یعنی رال (سلائیوا) میں مل جانے اور باقی تھوک دینا چاہیے۔

پیس کر استعمال کرنا: اسے کوئی لوہے یا اسٹیل کے برتن میں استعمال نہ کریں، پتھر یا لکڑی کے برتن میں پیس کر استعمال کریں۔

ابال کر استعمال کرنا: برائیوفائیلم کے پتے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر بہت ہی دھیمی آنچ پر ایک گلاس پانی میں ابالیں، اسے صرف مٹی کے برتن میں ابالیں، چونکہ مٹی کے برتن میں زیادہ فائدے مند ہوتا ہے اور کوئی دوسرے برتن کا استعمال نہ کریں۔

یہ تو رہی صرف ایک پودے کی بات، ایسے ہی قدرت نے ہمیں ہزاروں لاکھوں قیمتی پیڑ پودے عطا کیے ہیں جن کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اس لیے پیڑ پودے زیادہ سے زیادہ لگائیں اور اس کی قدر کریں جس طرح ہم اپنے جسم کو صحت مند رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح پودوں کا بھی خاص خیال رکھیں۔ گرمیوں میں ان کو وقت وقت پر پانی دیتے رہنا چاہیے۔ پودے کو ایسی جگہ پر رکھیں جہاں سے سورج کی شعاعیں پودوں کو آسانی سے ملتی رہے تا کہ پیڑ پودوں کو ان کی غذا ملتی رہے۔

درخت گلوبل وارمنگ کو کنٹرول کرنے کے لیے بہت ضروری ہیں۔ انہی درختوں سے ہمیں پھل، پھول اور سبزیاں حاصل ہوتی ہیں جو وٹامن سے بھرپور ہوتی ہیں۔ یہ جسم میں وٹامن کی کمی کو آسانی سے دور کرتی ہیں۔ درخت خدا کا انمول تحفہ ہے۔ ہم سب اس کے شکرگزار ہیں۔ ایسا تحفہ عطا کرنے کے لیے قدرت کے خزانوں میں سب سے انمول خزانہ ہیں یہ درخت اور پودے۔

دہکتی دھوپ سمندر ہے یہ جزیرے ہیں
گھنے درخت جو سڑکوں پہ سایہ کرتے ہیں

■

Sameena Bano
Saifi Book Depo ke Samne
Khanqah Ward

ماہرہ کریم فاطمہ، درجہ پنجم، ہولی میری انٹرنیشنل اسکول، دربھنگہ بہار

عطیفہ کشف محمد عمران احمد، درجہ ششم، رحمانیہ اردو گرلز اسکول، اچلپور، ضلع امراوتی، مہاراشٹر

حنا کوثر محمد سلیمان، درجہ یازدہم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائیر سیکنڈری اسکول، حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

صائمہ پروین محمد کلیم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائیر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

محمد ابوذر شیخ جہانگیر، درجہ پنجم، زیڈ پی اردو بوائز اسکول نمبر 1، فیض پور
تحصیل، یاول، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

میسرہ رحمت علی، درجہ ہفتم، سن رائز ہائی اسکول، مداد نگر، حیدرآباد، تلنگانہ

سندس فیضی بنت ڈاکٹر مسرور فیضی، درجہ اوّل (بی)، خدیجۃ الکبریٰ گرلس پبلک اسکول، جامعہ نگر، نئی دہلی

ام کلثوم، مدرسہ رحمت العلوم، نو کاٹولہ، رکسول، مشرقی چمپارن بہار

اریبہ فاروقی محمد واجد، درجہ دوازدہم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائیر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

عائشہ شیخ، الہدیٰ اردو پرائمری اینڈ ہائی اسکول وجے پور، کرناٹک

منزہ عارف شیخ، درجہ ہفتم، بیگم قمر النسا کاریگر گرلز ہائی اسکول و جونیئر کالج شولاپور، مہاراشٹر

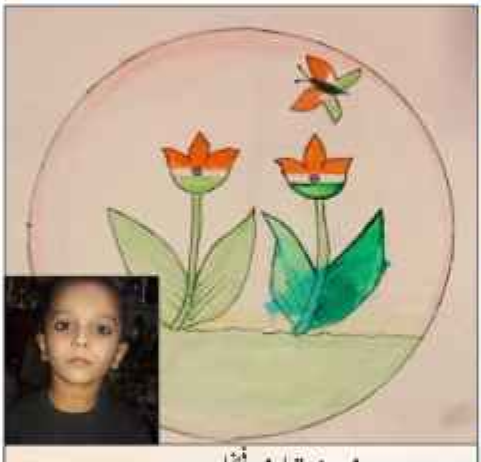

محمد جعفر اقبال محمد افضل، درجہ چہارم
گورنمنٹ منڈی اردو پرائمری اسکول نمبر 1، برہانپور، مدھیہ پردیش

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, अगस्त 2024, वर्ष 12, अंक 08
BACHON KI DUNIYA Monthly, August 2024 Vol. 12, Issue: 08
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/07/2024
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

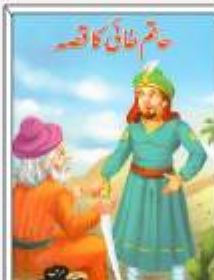

صفحات: 80، قیمت: 30 روپے

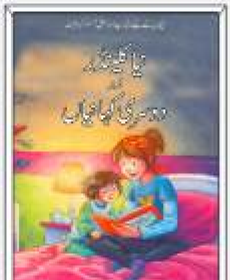
صفحات: 43، قیمت: 35 روپے

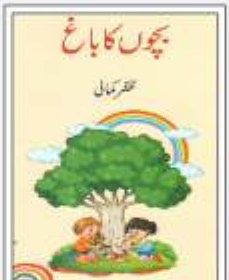

صفحات: 96، قیمت: 30 روپے

صفحات: 64، قیمت: 25 روپے

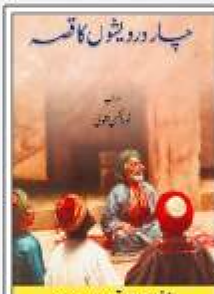

صفحات: 36، قیمت: 30 روپے

صفحات: 32، قیمت: 25 روپے

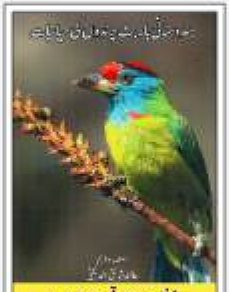
صفحات: 208، قیمت: 85 روپے

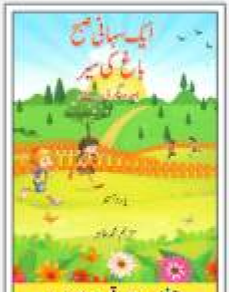
صفحات: 188، قیمت: 35 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی–110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language,
and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6